چشمِ بینا

Collection of Poems and Ghazals

دید بھی بینائی بھی بصیرت و ادراک بھی
چشمِ روشن بھی ملے اور قلبِ تابناک بھی

ڈاکٹر ضیاء المظہری

چشمِ بینا
نظمیں غزلیں

Chashm-e-Beena
Collection of Poems and Ghazals

ڈاکٹر ضیاء المظہری

تیرا مجنوں تیری خاطر خاک میں مل جائے گا
کون تیری مانگ میں سیندور بھرنے آئے گا

صیّاد کا احسان اب یہ بھی تو مانا جائے گا
میرا گھر ہی آج سے میرا قفس کہلائے گا

تیرا مجنوں مٹ گیا تو یاد رکھ دشتِ جنوں
خارزاروں میں نہ کوئی آبلہ پا جائے گا

پیچ ہائے زلفِ جاناں کب کھلیں گے مظہری
یہ اسیرِ زلفِ لیلیٰ کب رہائی پائے گا

◆

نہ ہوتا شجرِ ممنوعہ جو جنّت میں تو اچھا تھا
نہ ہوتا سامنا تیرا محبت میں تو اچھا تھا

بہتر ہے ابھی صدمہ دلِ ناکام کو پہنچے
بنا آغاز افسانہ کسی انجام کو پہنچے

رہے یہ عشق یکطرفہ جو بے نیل و مرام اچھا
اس قصے کا یونہی اور یہیں پہ اختتام اچھا

(Collection of Poems and Ghazals)

چشمِ بینا

(نظمیں، غزلیں)

* * *

دید بھی بینائی بھی بصیرت و ادراک بھی
چشمِ روشن بھی ملے اور قلبِ تابناک بھی

ڈاکٹر ضیاءالمظہری

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکیننگ یا کسی بھی قسم کی
اشاعت مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔

کتاب کا نام : چشمِ بینا
مصنف : ڈاکٹر ضیاء المظہری
قیمت : -/300 روپے
اشاعتِ (اوّل) : 2016ء
کمپوزنگ : قیصر لودھی
ناشر : چشمِ بینا پبلشرز، لاہور
پرنٹر : میڈیا سول پرنٹرز، لاہور
ملنے کا پتہ : ایکویٹی آئی سنٹر، 14-G/3
واپڈا ٹاؤن، لاہور۔
فون نمبر: 0300-4401151
Email: eyeacuity@gmail.com

Chashm-e-Beena
Publishers

دلِ بِینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
اقبالؔ

انتساب

ہمدم و دمساز، شریکِ حیات
عارفہ ضیاء کے نام

مظہری تیری ضیاء، تو ضیائے مظہریؔ
مظہری تیری نوا، تو نوائے مظہریؔ

مظہری عارف تیرا، تو عارفہءِ مظہریؔ
کرتا ہوں جاناں انتساب، تجھ کو ضیائے مظہریؔ

فہرست

- نذرِ اساتیذ 13
- عرضِ مظہری 14
- تعارف 19
- چشمِ بینا (تبصرہ) 22
- حمد و نعت 25
- نعت 27
- حالِ من غمگسار رہنے دو 29
- اللہ بچائے تم کو اے جان نظرِ بد سے 30
- نذرِ اقبال 31
- عجب قصہ ہے زندگی اپنی 32
- اِس کا احساس سرِ شام ہوا 33
- کوئی سا گیت سنا دو جاناں 34
- ہاں کبھی زندہ تھے ہم 35
- گلشن میں اب آئے گا کون 36
- بات کرو ناں مظہر جی 37
- قسمت کی تحریر بتائیں 39

- زخم ہائے بے بسی 40
- کہہ کے اگلی بہار ملنے کا 42
- کل چشمِ تصور نے عجب جادوگری کی 43
- تیری الفت کا دم جو بھرتے ہیں 44
- التجاؤں کا بے اثر رہنا 45
- چندا اب تو آجا 46
- آنکھ نے دیکھا تجھے تو دل نے چپکے سے کہا 48
- میں اکثر بھول جاتا ہوں بہت باتیں ضروری سی 49
- قافلۂ ہم وطناں 50
- میرے جیسا عام سا لڑکا بھلا 51
- راہنمایانِ وطن 53
- ہونا تھا جو ہوگیا ہے 54
- زرد پتا 56
- نوحے سنائی دیتے ہیں دھڑکنوں سے ہم کو 58
- اپنے 59
- درد دل میں بسا کے چلتا ہے 60
- عکس 61
- دل شکستہ پاؤں چھالے کمر دوہری بازو شل 63
- درد باقی ہے نہ دوا باقی 65
- خود جس نے مجھے اپنا بنایا لوگو 66
- کرتا ہوں تیرے نام یہ حالات لہو رنگ 67
- چاہے ہیرا ہو یا کہ ہو کنکر 68

- دل شکستہ آنکھ نم ہونے کو ہے 69
- چشمِ خُشک 70
- صاف صاف کیوں نہیں کہتے 71
- سایۂ ‘‘فردوس’’ 72
- دیارِ شہر میں ویراں ہے میرا گھر ایسے 74
- بھر گیا دل زندگی سے 75
- ہجرت 77
- ہجرت کے بعد 78
- تو نے ٹھکرایا تو دل جذبوں سے خالی ہو گیا 80
- دُخترِ اُمت 81
- گلستاں پر بہار زیادہ ہے 83
- برکھا 84
- انتشارِ ظلمت سعید ہوتا ہے 85
- تیری محفل سے جو بھی آیا ہے 86
- ہر طرف ہیں قہقہے اور یہ کبھی ہنستا نہیں 87
- دوستی جو نہ رہی تو دشمنی لازم تھی کیا 88
- پیر نظری 89
- شمعِ محفل 89
- بن پوچھے ہم کیوں بتلائیں، کیا ہم کو انا کا پاس نہیں 90
- چندا ڈوبا، سوئے ستارے، نکلا سورج، ہوا سویرا 90
- پسِ پردہ کوئی بات ہے لازم 91
- ہمیں تو شرمانے کی عادت ہے مگر 91

- دان 92
- آنے والی ساعتوں کی فکر میں گھلتے رہیں 93
- کچھ نہ کیا ہم نے بجز کارِ ندامت 93
- ایجاب وقبول 94
- میرے جرائم کی سزا موت نہیں ہے 95
- جانے کس بات پہ دل رتجھا ہے 95
- واپسی 96
- شکستہ لفظ 96
- شامِ بستر 97
- سوکھے پیڑ 98
- رخِ روشن نہیں اپنی قسمت 99
- ساتھ جینا ساتھ مرنا، میں قسم یہ کھاؤں کیسے 100
- تیرے بلاوے پہ ہم نہ آئیں، ایسے بھلا کیا ہوسکتا ہے 100
- کس قدر سونا ہے گھر کا آنگن 101
- منظہرِ ضیاء 102
- میں اور عشق اس کا، ہے نا عجیب بات 103
- اسیرِ وفا 104
- اقبالِ جرمِ دل لگی ہے کیا سزا سنواؤ گے 107
- ایک وقتِ خاص تک دنیا میں اب رہنا تو ہے 108
- بات من کی یارِ من، من میں رہے گی کب تلک 109
- اس کی ادا مجھ سے جدا اور سب انداز بھی 110
- اغراض کی دنیا میں محشر سا بپا ہے 111

- یاد وہ جب منظر آئیں 112
- بڑھ کے نہ قدم لینا، کرنا نہ پذیرائی 113
- خوشبوئے گلستاں میرے زنداں میں یوں در آئی 115
- مسیحائی 116
- بینائی 117
- مجلسِ اطبّاء 118
- الحفیظ الاماں 119
- حائل ہیں نگاہوں میں اشکال نئی سی 123
- جانتے ہیں ہم نہ تیرے دل میں ہو پائے مکیں 125
- میرے کاندھے پہ سر رکھو کسی کی یاد میں رو کے 126
- رنج و غم کے سِلسلوں کی بات چلنے دو ابھی 127
- سنبھلو اور سنبھلنے دو 128
- میرِ کارواں (مضمون) 129
- میرِ کارواں (نظم) 132
- والدِ گرامی ماسٹر میاں علی محمد مرحوم 133
- التجائے مظہری 135
- محسن و استاد من پروفیسر واصف محی الدین قادری 137
- • بادِ خوش خرام 140
- بزمِ واصف 142
- سائبانِ واصف 143
- محسن یاد آتے ہو 145
- بیادِ پروفیسر علی حیدر مرحوم 147

- سرابِ نو 148
- محمد ھیثم ضیاء 150
- لختِ جگر 151
- ماں کی فغاں 153
- جانِ پدر 155
- قسمت کا لِکھا سہنے دو 156
- دیوانہ گر شہر میں بسا ہوتا 157
- میں بھی کسی کا کوئی میرا منتظر رہا 158
- تمھارے من کو جو بھائے اسی بحر میں کہوں 160
- مجھے کچھ ہو گیا تم سے جو سچ پوچھو تو کہتا ہوں 161
- ڈوبے ہو کس کے خوابوں میں 162
- یوں تو ستم کوئی بھی ہمدم نہیں کرتا 163
- بوند بوند جیسے دوا حلق میں اُتاری ہے 164
- محفل میں بھی تنہا ہی بیٹھا رہا میں 166
- خواب ہو جاؤں گا آنکھوں میں بسا لو مجھ کو 167
- مجھ کو تیرا شباب لے بیٹھا 168
- یومِ دفاع 169
- اُس کا کہنا ہے نہ دل سے اس نے اپنایا مجھے 170
- جانچتے ہیں پرکھتے ہیں، کھوجتے جاتے ہیں ہم 171
- کنگلے نے سبھی اپنی پونجی ہے لٹائی 173
- سالمندی(Ageing) 174
- سراب(Mirage) 174

- دل کے جذبے غزل میں جس نے سموئے ہی نہیں 175
- طبیعت آجکل کچھ مضطرب سی ہے 176
- مانا گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں 177
- سرخیءِ خبر نہ سہی حوالہءِ خبر میں تو ہوں 178
- جتنا بھلائیں گے اسے وہ یاد آئے گا ہمیں 179
- کنویں کی طرف یوں تو پیاسا ہی چلا ہے 180
- عشقِ ممنوعہ 181
- مرضی دا بندہ ضرور آں سجناں 184
- تھوڑی چوں کر کے تھوڑی چاں کر کے 186
- لے ہاں وے ڈاکدارا ویکھ میری باں 187
- آنکھیں تیری دید کو ترسیں اِک پل سو نہ پائیں 188
- دید بھی بینائی بھی بصیرت و ادراک بھی 189
- داستانِ اُندلس 191
- باتوں کے، نہ بانہوں کے، نہ خوابوں کے سہارے 193
- شام 194
- آنکھ اور دماغ 194
- دیدارِ قمر 195
- استحکامِ ملت 197
- دعائے مظہریؔ 199

اساتذہ ءِ گرامی، نامور ماہرینِ امراضِ چشم
پروفیسر سیّد واصف محیّ الدین قادری۔ ایف. آر. سی. ایس
ڈاکٹر طارق سعید۔ ڈی. اے. بی. او
پروفیسر محمد طیّب۔ ایف. آر. سی. ایس
پروفیسر عمران اکرم صحاف۔ ایف. آر. سی. ایس

جنہوں نے ہمیں امراضِ چشم کی چارہ گری سکھانے
کے ساتھ ساتھ انسان اور انسانیّت کے رشتے اور اس کی
عظمت کی پہچان کا عملی درس بھی دیا

نذرِ اساتیذ

واصف و طارق سے عالم ٹھہرے اس کے راہبر
مظہر بھی لوگوں کی نظر میں ہو گیا ہے معتبر

امراض ہائے چشم کی جرّاحی و چارہ گری
تعلیم و تربیت کا فن اور تعلّم کا ہُنر

کس سے سیکھا کس نے بخشا، ممتحن بولے سبھی
ہم کو اپنے دیس میں ہی مل گئے وہ دیدہ ور

میں کہ اک بندۂ عاجز، ہوں بہت ہی بے ہنر
جو بھی اچھا مجھ میں دیکھو، بس انہی کا ہے اثر

طیّب و عمرانِ کی اس کو معیّت مل گئی
اساتذۂ مظہرؔی ذی وقار و ذی قدر

عرضِ مظہری

پڑھنے اور پڑھانے کا شوق مجھے ورثے میں مِلا۔ والد مرحوم انگریزی اور الجبرے کے ماہر جبکہ والدہ محترمہ اُردو اور فارسی میں ممتاز معلّمہ رہیں۔ روٹی کپڑا اور مکان کے موضوع پر تقریری مقابلہ منعقد ہوا۔ اس وقت میں دوسری جماعت کا طالبعلم تھا۔ والد صاحب نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے اجازت لی کہ ''مظہر'' بھی تقریر کرے گا لیکن بھٹو مرحوم سے نظریاتی اِختلافات کی وجہ سے عنوان علامہ اقبالؒ مُنتخب کیا اور یوں مجھے پہلی دفعہ پورے سکول کے سامنے سٹیج پہ بولنے کا موقع ملا۔ اس زمانے میں لاہور سے شکرگڑھ کے درمیان سفر کا عمومی ذریعہ ریل گاڑی تھی۔ نانا جان مولوی محمد مغفورؒ نے لاہور ریلوے سٹیشن سے روزنامہ مشرق خریدا اور بچوں کا صفحہ میرے حوالے کر دیا اور یوں لاہور سے شکرگڑھ کی مسافت نے اردو ادب کے ساتھ پہلا رابطہ جوڑ دیا۔ والد مرحوم نے کہانیوں کی کتابوں کے ساتھ ساتھ ماہانہ اردو ڈائجسٹ کا اہتمام بھی کر ڈالا۔ یہ الگ بات کہ الطاف حسین قریشی کے اردو ڈائجسٹ کے ساتھ شروع ہونے والا یہ سفر شکیل عادل زادہ کے سب رنگ ڈائجسٹ کے ساتھ اپنے عروج کو پہنچا۔ حتّٰی کہ اقبال ہوسٹل گورنمنٹ کالج کے کمرہءِ اقبال کے پڑوس میں قیام کے دوران والد صاحب کی

بھرپور مداخلت اور تنبیہ نے رخ دوبارہ نصابی کتب کی طرف موڑا۔

چھٹی سے آٹھویں جماعت تک اِختیاری مضامین میں ڈرائنگ کی بجائے میرے لیے فارسی کا انتخاب کیا گیا۔ دیوانِ غالب، شرحِ دیوانِ غالب، کلیات اقبال اور انتخاب از کلامِ شعراء جیسی نادر کتب گھر میں پہلے سے ہی موجود تھیں۔ والدہ محترمہ اور سکول میں پروفیسر عطا محمد جیسے اُردو کے محقق اور جیّد عالم کی راہنمائی نے ادبیات کا شوق دو آتشہ کر ڈالا۔ پروفیسر عطا محمد صاحب نے اسی زمانے میں پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ امیدوار کے طور پر ایم۔ اے فارسی میں سونے کا تمغہ حاصل کیا۔ پھر فارسی ادب میں ڈاکٹریٹ کا اعزاز بھی حاصل کیا اور ہمارے میٹرک کرنے کے بعد کالج میں پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ استادِ محترم نے ایک دفعہ علامہ اقبالؒ اور میرا سکول کے ساتھ ساتھ اردو کے پرچہ میں ایک شعر پر مضمون لکھنے کی دعوت دی۔

؎ شراب کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا

ساتھ ہی فرمایا کہ جو طالبِ علم اس شعر پہ چند سطروں کا مضمون بھی تحریر کرے گا میں اسے سب سے امتیازی نمبر دوں گا۔ انہی کی راہنمائی سے اس شعر پہ دو صفحے کا مضمون لکھا اور سب سے زیادہ نمبر لیئے۔

استادِ مکرم کی باتیں اور تشریحات ہمیں انتہائی مشکل اور اپنے معیار سے بہت اُونچی معلوم ہوا کرتی تھیں لیکن آج میں پیچھے مُڑ کے دیکھتا ہوں تو شعر و سُخن سے تعلق کہیں اسی زمانے سے جڑتا اور پروان چڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔

میٹرک کے بعد ایف۔ ایس۔ سی کے لئے گورنمنٹ کالج میں داخلہ بھی والد صاحب کا انتخاب تھا۔ اسی زمانے میں چند نظمیں اور غزلیں تحریر کیں پھر علامہ اقبال میڈیکل کالج میں ہم جماعتوں نے Horizons کے نام سے چھوٹا رسالہ شائع کیا جس میں ایک نظم ''کوئی سا گیت سنا دو عذرا'' اور ایک غزل ''حالِ من غمگسار رہنے دو'' شائع ہوئی۔ اس زمانے میں اختر شیرانی مرحوم ذہن پر چھائے ہوئے تھے۔ ضیائے مظہری میں یہ نظم ''کوئی سا گیت سنا دو جاناں'' کے نام سے شامل ہے۔

ٹوٹے پھوٹے اشعار کو کتاب کی شکل دینے کا خیال پہلی دفعہ نومبر 2008ء میں آیا جب 2 نومبر 2008ء کو ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے بارے میں لکھی گئی نظم ''دخترِ اُمت'' کے نام سے نوائے وقت میگزین میں شائع ہوئی۔ اُسی زمانے میں 'اسیرِ وفا' کے نام سے ایک نظم لکھی۔ جوہرِ قابل کے ساتھ روا رکھا جانے والا عمومی رویّہ، کچھ ذاتی تجربات اور خصوصی طور پر ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کے ساتھ پیش آنے والے واقعات، اُس کے پس منظر میں تھے۔

؎ صیّاد کا احسان اب یہ بھی تو مانا جائے گا
میرا گھر ہی آج سے میرا قفس کہلائے گا

یہ نظم ڈاکٹر صاحب کو ای۔ میل کی تو جواباً انہوں نے اظہارِ پسندیدگی کے ساتھ اپنا ایک ذاتی شعر بھی ارسال فرمایا جو دعوتِ تفکّر کے ساتھ نذرِ قارئین ہے

؎ گزر تو خیر گئی ہے تیری حیات قدیؔر
ستم ظریف مگر کوفیوں میں گزری ہے

دسمبر 2011 ء میں مجلسِ ماہرین امراضِ چشم پاکستان کی سالانہ کانفرنس کے موقع پر محفلِ مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا۔ قابلِ احترام خالد شریف صاحب دیگر شعراء کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ صدرِ مجلس ڈاکٹر قمر الاسلام لودھی صاحب نے مجھے بھی کلام سنانے کی دعوت دی۔ لمبی غزل اسیرِ وفا، نظم عکس اور چند اشعار پیش کیئے۔ نوجوان اطبائے چشم نے نظم اور معاصر ماہرینِ چشم نے پیر نظری کے متعلّق شعر کو بہت ہی سراہا۔

؎ دور اندیش جب سے ہوگیا ہوں
قریب سے کچھ نہیں دِکھتا

محترم خالد شریف صاحب نے اپنے دلنشیں انداز میں گلہ کیا 'جب ساری داد خود ہی سمیٹ لینی تھی تو ہمیں کیوں بلوایا تھا'۔

اِسی طرح بھوربن میں بین الاقوامی کانفرنس کے دوران خشک آنکھوں کی تشخیص اور علاج کے موضوع پر مقالہ پیش کرنے کا موقع ملا۔ تشخیصی علامات پر بات کرتے ہوئے میں نے اپنی نظم 'چشمِ خشک' سنائی تو پشاور سے تعلّق رکھنے والے ممتاز ماہرِ چشم پروفیسر داؤ د خان صاحب نے کھڑے ہو کر تعریف اور حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ اس خداداد صلاحیّت کو استعمال کرتے رہنا۔

امراضِ چشم کی چارہ گری اور مسیحائی کی مصروفیات کی وجہ سے کہنہ مشق شعراء اور اساتذہ کی شفقت اور راہنمائی میسر نہ ہو سکی۔

؎ دل کو نہ سمجھا ہے نہ جانا ہے جگر کو
فرصت ہی نہیں دیتی آنکھوں کی مسیحائی

ماہرِ امراضِ نفسیات ڈاکٹر فیاض ہرل بہت عمدہ ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ نام کا انتخاب، تصحیحِ املا اور تدوین میں ان کا قابلِ قدر تعاون حاصل رہا۔ ان کے علاوہ اہلیہ مسز عارفہ ضیاء کی آراء اور تجاویز بہت اہم رہیں۔ پسرِ عزیز محمد عبداللہ مظہری نے نعت، دخترِ اُمت اور اسیرِ وفا کو گانے کے بعد مجھے بتایا کہ کون سے اشعار ہم وزن نہیں ہیں۔ ٹائٹل کی تدوین میں برادرِ خورد انجینئر ضیاء المظفری کی مشاورت انتہائی قابلِ قدر رہی۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے سعد ضیاء المظہری نے فیروز اللغات کی مدد سے اِملا کی درستگی کے لیے حیران کن کاوش کی۔ کم سِن، سعادت مند ''سعدی'' کی عمیق نظری بہت قابلِ ستائش ہے۔

غزلیں نظمیں اور اشعار ''جہاں ہیں جیسے ہیں'' کی بنیاد پر نذرِ قارئین ہیں۔

شعر و سخن سے میرا رشتہ تو ہے ضرور
لکھتا تو ہوں غزل شاعر نہیں ہوں میں

ڈاکٹر ضیاء المظہری

تعارف

نام	ضیاءالمظہری
تخلص	مظہرؔ، ضیاءؔ، مظہریؔ
سنِ پیدائش	1967ء
جائے پیدائش	دودھو چک، ضلع نارووال، پنجاب، پاکستان
ای میل ایڈریس	mazhry@yahoo.com eyeacuity@gmail.com
ویب سائٹ	www.eyeacuity.com
موبائل نمبرز	+923004401151 +923214800118
میٹرک **(اپریل 1982ء)**	گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول دودھو چک نارووال، پنجاب، پاکستان
ایف۔ایس۔سی **(1982-1984ء)**	گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

ایم۔ بی۔ بی۔ ایس **(1985-1990ء)**	علامہ اقبال میڈیکل کالج، لاہور، پاکستان
ایف۔ سی۔ پی۔ ایس **(1994-1998ء)**	کالج آف فزیشنز اینڈ سرجنز پاکستان
ایف۔ آر۔ سی۔ ایس **(1998-2002ء)**	رائل کالج آف سرجنز ایڈن برگ (یوکے)
ایف۔ آر۔ سی۔ ایس **(1998-2002ء)**	رائل کالج آف فزیشنز اینڈ سرجنز گلاسگو (یوکے)
سی۔ آئی۔ سی آفتھ **(1996-1998ء)**	انٹرنیشنل کونسل آف آفتھلمالوجی لندن (یوکے)

- ممبر امریکن اکیڈمی آف آفتھلمالوجی
- ممبر ورلڈ سوسائٹی آف آفتھلمالوجی اینڈ سٹرے بسمس
- لائف ممبر آفتھلمالوجیکل سوسائٹی آف پاکستان
- ایگزیکٹیو ممبر آفتھلمالوجیکل سوسائٹی آف پاکستان
- ممبر گلاکوما ایسوسی ایشن آف پاکستان
- گولڈ میڈلسٹ آفتھلمالوجیکل سوسائٹی آف پاکستان لاہور
- گولڈ میڈلسٹ آفتھلمالوجیکل سوسائٹی آف پاکستان حیدر آباد
- ممبر ایسوسی ایشن آف پیڈیاٹرک آفتھلمالوجی پاکستان
- ایسوسی ایٹ پروفیسر سینٹرل پارک میڈیکل کالج لاہور
- کنسلٹنٹ آئی سرجن اینڈ ہیڈ آف آفتھلمالوجی ڈیپارٹمنٹ واپڈا ٹیچنگ ہسپتال لاہور، پاکستان

چشمِ بینا

(تبصرہ)

جب مجھے پہلی بار ڈاکٹر ضیاءالمظہری کا کلام سننے کا اتفاق ہوا تو میں چونک گیا کہ ایک مصروف طبّی معالج سے اِس کی توقع کم کم تھی۔ ڈاکٹر مظہری ایک مستند اور قابل ماہرِ امراضِ چشم ہیں اور اُن کی پیشہ ورانہ دلچسپی کا عکس اُن کے کلام میں جا بجا نظر آتا ہے۔ وہ ماہرِ بصارت بھی ہیں اور صاحبِ بصیرت بھی۔ اُن کے ہاں بینائی ایک عام جسمانی صلاحیت کی سطح سے اُٹھ کر ایک وسیع المعانی استعارے کا روپ دھار گئی ہے۔ وہ نظر، بےنظری، چشمِ خشک، پیرنظری، ظلمت و ضیاء جیسی اصطلاحات کو بڑی ہنرمندی اور کاریگری سے اپنے اشعار میں برتتے ہیں۔ اُن کے ایسے اشعار مجھے حکیم مومن خان مومن کی یاد دلاتے ہیں جنہوں نے اپنا تخلص اِس فنکارانہ مہارت سے کلام میں استعمال کیا تھا کہ ایک مثال بن گئی تھی۔

ہم نے دیکھی ہیں وہ ویران وہ صحراسی آنکھیں
اشکِ تر کو ترستی ہوئی پیاسی آنکھیں

اے عشق کے طالب کیا چاہتے ہو بولو
آنکھ سے بڑھ کے ہے کہیں قلب کی بینائی
اسرار و رموز اس پہ کھلیں ہر دو جہاں کے
مظہرؔ کو عطا کر دے وہ قلب وہ بینائی

اُن کے اشعار کے زیرِ سطح غم انگیزی کی ایک رَوسی چلتی ہے جو کبھی غیر محسوس، کبھی محسوس اور کبھی بے حجاب ہو جاتی ہے۔ یہ غم مظہری کی شخصیت وسخن میں ایک خوشبو کی طرح رچا بسا محسوس ہوتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اِس کے پسِ پردہ کیا عوامل پوشیدہ ہیں اور اُن کی زندگی کے کون سے نشیب وفراز نے اس کیفیت کو جنم دیا ہے لیکن یہ سوز وگداز ایک مضطرب ودردمند دل اور بے چین روح کا مظہر لگتا ہے۔ البتہ اُن کی شاعری میں غم جمود اور یاسیت کی کیفیات کا حامل نہیں ہے بلکہ اِس میں ایک تحرک اور رجائیت کا عنصر نظر آتا ہے اور یوں وہ ڈاکٹر صاحب کی متحرک اور باعمل شخصیت کے اوصاف سے ہم آہنگ ہے۔

کسی کے ہجر میں جاناں کبھی جاگو تو تم جانو
شبِ فرقت خیالوں میں جو ملتی ہے حضوری سی

مضطرب سے لوگ مظہؔر، بے سکوں سی زندگی
حق کی دعوت جب چلی تو جائے گا سب کچھ بدل

ڈاکٹر مظہری صاحب کے کلام میں فقط میخانۂ دل اور ذات کا ہی سراغ نہیں ملتا بلکہ اُن کے ہاں عصری شعور کے اشارات بھی جا بجا نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے ماحول کے تضادات اور کشمکشِ حیات پر دانش مندانہ نظر رکھتے ہیں اور معاشرے کے باطنی اضطراب کو محسوس کرتے ہیں۔ دخترِ اُمت، استحکامِ مِلّت اور اسیرِ وفا جیسی نظمیں اِسی باطنی اضطراب کی خبر دیتی ہیں۔ ذرا یہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

راہ ہے دشوار پیارے، راہزن ہے تاک میں
خارزاروں میں اُلجھ نہ، وقت ہے اب بھی سنبھل

اب لڑائی میں ہر دو جانب سے
مرنے والا شہید ہوتا ہے

زیرِ نظر کلام میں محاسنِ کلام، اوزان اور بحروں پر تو بحث کی جاسکتی ہے کہ یہ علم و ادب میں ہمہ وقت غوطہ زن کسی شاعر کا نہیں بلکہ ایک معروف طبّی معالج کا کلام ہے لیکن اِس شاعری میں سوز و گداز اور درد و فکر (جسے حضرت اقبال نے ”کیفِ غم“ سے تعبیر کیا تھا) کی دولت اتنی وافر اور نمایاں ہے کہ اِس کے لیے کسی گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔ خدائے کریم اُن کے جوہرِ قلب اور گلشنِ سخن کو اِسی طرح تا دیر شاداب و فروزاں رکھے۔ آمین

ڈاکٹر فیاض ہرل
(قلزمِ خاموش)
ماہرِ امراضِ دماغ و نفسیات
8 مئی 2016ء

حمد و نعت

دل لرزتا ہے جو میری لغزشوں کی بات ہو
امید بندھتی ہے جو تیری رحمتوں کی بات ہو

پھر سنا لینا کبھی واعظ، وعیدیں اور عذاب
رب کے کرم رب کی عطا اور بخششوں کی بات ہو

جوش میں آ جائیں جب تیری رحمت کی صفات
ایسے لمحوں اور ایسی ساعتوں کی بات ہو

رحمت اللعالمینؐ کی عظمتوں کی بات ہو
سیرت و صورت کے روشن پہلوؤں کی بات ہو

امت کی بخشش کیلئے اپنے خدا کے سامنے
نبی رحمتؐ کی دعاؤں رتجگوں کی بات ہو

معراج کی شب سفر پہ جب والیءِ امتؐ چلے
ان وسعتوں، ان رفعتوں اور قربتوں کی بات ہو

صدیقؓ ہوں فاروقؓ ہوں، ہوں غنیؓ یا مرتضیٰؓ
نبیِ اکرمؐ کے مقرب دوستوں کی بات ہو

یا الٰہی ڈھانپ لے مظہرؔی کے عیب تو
لغزشوں کی بات نہ ہو رحمتوں کی بات ہو

نعت

رحمت اللعٰلمیںؐ تشریف لائے ہیں
محبوبؐ ربّ العٰلمیں تشریف لائے ہیں

پیکرِ صدق و یقیںؐ تشریف لائے ہیں
نبیِ صادقؐ اور امیںؐ تشریف لائے ہیں

انسان کو رحمان کی پہچان دینے کیلئے
منبعِ علم و یقیں تشریف لائے ہیں

تا قیامت کوئی بھی اب نبی نہ آئے گا
آج ختم المرسلیںؐ تشریف لائے ہیں

یومِ ولادت اُن کا ہے یومِ عظیم المرتبت
امامؐ جمیع المرسلیں تشریف لائے ہیں

سب جہانوں پر ہیں مظہر رحمتیں سایہ فگن
فخرِ افلاک و زمیںؐ تشریف لائے ہیں

حالِ من غمگسار رہنے دو
میرے غم بے شمار رہنے دو

مختصر سا ہے قیام اپنا
اس کو تو خوشگوار رہنے دو

خزاں تو خزاں ہے بے شک
بہار کو تو بہار رہنے دو

اے خزاں کے زرد رُو پتو
کچھ اُمیدِ بہار رہنے دو

روز کہتا ہوں آج آئے گا
کچھ ضیاؔء کا اعتبار رہنے دو

اللہ بچائے تم کو اے جان نظرِ بد سے
سنورنے میں آج بڑھ گئے ہو حد سے

دیکھئے اداؤں کو اور دل میں سوچیئے
کون بچ پائے گا آج انکی زد سے

قیامت نہ ڈھایئے یوں خدا کیلئے
تقسیم کر دیجئے خود کو کسی عدد سے

خیمے بھی ساتھ لائے ہیں پانی کی چھاگلیں بھی
صحرا میں آئے مجنوں سب پوچھ کے خرد سے

نظر جھک کے ان کے قدموں میں آ گری
ایستادہ ان کو مظہرؔ دیکھا جو پورے قد سے

نذرِ اقبال

کیا بات ہے اقبال تیری جادو گری کی
برسوں سے سوئی قوم تو نے جگا دی

ذی شان ہیں کتنے تیرے افکار و خیالات
دلِ مردۂ مسلم میں نئی اُمنگ جگا دی

بھٹکے ہوئے راہی کو دیا منزل کا پتہ
منزل کا نشاں بھی راہِ منزل بھی بتا دی

اُس مردِ قلندر نے یزداں کی نظر میں
اِس آدم خاکی کی قدر اور بڑھا دی

اقبال بھی اک آدمِ خاکی ہی تھا لیکن
نیابتِ حق اس نے ضیاؔء خوب نباہی

عجب قصہ ہے زندگی اپنی
عنواں ہے بے بسی اپنی

لمبا ہے زندگی کا سفر
کاٹے گی ماندگی اپنی

دل میں چھپائی تھی اک بات
وہ بھی نہیں رہی اپنی

محفل میں جانِ محفل نے
نہ سنی میری، بس کہی اپنی

کر دو ضیاؔء معاف اسے
کہتی ہے بے کسی اپنی

◆

اِس کا احساس سرِ شام ہوا
کہ ایک اور دن تمام ہوا

ہم بھٹکتے ہی رہے
سفرِ زندگی تمام ہوا

تیرا غم ہی باقی تھا
وہ بھی وقفِ جام ہوا

دنیا میں زلزلے آئے
جب ہم پہ اثرِ جام ہوا

جہاں پر بھی ہو گئی شام
اپنا مظہرؔ وہی مقام ہوا

کوئی سا گیت سنا دو جاناں

بلبل کا ترانہ کوئی
اُلفت کا افسانہ کوئی
پیار کا گیت پرانا کوئی
کوئی سا گیت سنا دو جاناں

کوئل کی چہکار کا نغمہ
کلیوں کی مہکار کا نغمہ
البیلا سا پیار کا نغمہ
کوئی سا گیت سنا دو جاناں

مہکی ہوئی بہار سا گیت
میٹھا سا شاہکار سا گیت
اپنے جیسا طرح دار سا گیت
کوئی سا گیت سنا دو جاناں

⁂

ہاں کبھی زندہ تھے ہم
اب تو نہیں زندوں میں ہم

عرصہ ہوا سو گئے بخت
دیکھو بہت جاگے ہیں ہم

خوشیوں کا دیکھا اک زمانہ
ہم کو اب پیارے ہیں غم

جان کر قسمت کا لکھا
جھیل جائیں گے ستم

بجھ گئیں جو دیکھتے ہی
تارے تھے ان آنکھوں کے ہم

مٹ گئے سارے اُجالے
رہ گئی بس ضیائے غم

* * *

گلشن میں اب آئے گا کون
پھولوں کو مہکائے گا کون

سن کے جن کو دل بھی روئے
ایسے گیت سنائے گا کون

کسی کا جو کبھی دل نہ دکھائے
ایسا رُتبہ پائے گا کون

کس سے پیارے روٹھ رہے ہو
تم کو منانے آئے گا کون

ایسے شعر اور ایسی غزلیں
اور ضیاؔء کہہ پائے گا کون

بات کرو ناں مظہر جی

بات کرو ناں مظہر جی
کوئی بات کرو ناں مظہر جی

اِس موسم کی، اِس رات کی بات
تاروں کی، بارات کی بات
رِم جھم کی، برسات کی بات

بات کرو ناں مظہر جی
کوئی بات کرو ناں مظہر جی

گجروں کی مہکار کی بات
پائل کی جھنکار کی بات
پیاری سی کوئی پیار کی بات

بات کرو ناں مظہر جی
کوئی بات کرو ناں مظہر جی

کوئی بات کرو کچھ بولو ناں
ذرا ہونٹوں کے پٹ کھولو ناں
ارے مظہر جی کچھ بولو ناں

بات کرو ناں مظہر جی
کوئی بات کرو ناں مظہر جی

◆

قسمت کی تحریر بتائیں
خوابوں کی تعبیر بتائیں

دیکھ لیے ہیں خواب بہت
آؤ تمہیں تعبیر بتائیں

یہ ہی ہے تقدیر کا لکھا
آپ اپنی تقدیر بنائیں

عالم عالم فریادی ہے
ہم ہی کیوں زنجیر ہلائیں

ایک ہی رستہ ایک ہی منزل
جس کو چاہے پیر بنائیں

نقش ہے مظہرؔ گہرا دل میں
کیسے یہ تصویر مٹائیں

زخم ہائے بے بسی

آؤ میرا دل چیر کے دیکھو
زخموں کی زنجیر تو دیکھو
میرے من میں
کتنے ہی جہنم دہک رہے ہیں
قریب آؤ
کچھ تڑپو کچھ تڑپاؤ
بے بس ہو جاؤ
تو پتہ چلے
ہم کس آگ میں جل رہے ہیں
لمحہ بہ لمحہ پگھل رہے ہیں
ایسا ہی ہوتا رہے گا ہمیشہ

ہم گھل گھل کے جیتے رہیں گے
کھلے ہوئے زخموں کے کنارے
یونہی ہمیشہ سیتے رہیں گے
خدا نہ کرے کبھی تم بھی
جلو بے بسی کے جہنم میں
جلتا ہے تن
جلتا ہے من
دل بھی زخمی
روح بھی زخمی
میرا رُواں رُواں زخمی
آؤ میرا دل چیر کے دیکھو
زخموں کی زنجیر تو دیکھو

◆

کہہ کے اگلی بہار ملنے کا
سراپا بہار پھر نہ ملا

کتنا الجھا ہوا سا لگتا ہے
کوئی بات تو کر آخر ہوا ہے کیا

دل بجھ سا گیا ہے شاید
ایسے ہی سمے وہ بچھڑا تھا

اُس کے چلے جانے کے بعد
موسمِ گل نہ لوٹ کر آیا

آؤ اس کا حال پوچھتے ہیں
بڑا اداس سا لگتا ہے ضیاءؔ

◆

کل چشمِ تصور نے عجب جادو گری کی
بند پلکوں میں مستور کی جلوہ گری کی

جانے کا کسی نے کبھی چاہا نہ یہاں سے
کیا بات ہے پیارے اس جادونگری کی

دیکھے ہیں جہاں ہم نے بے گوروکفن لاشے
کل حسنِ جہاں سوز نے واں جلوہ گری کی

اعجازِ محبت سے توجہ سے دعا سے
میرے مسیحا نے مری چارہ گری کی

بزمِ ضیاءؔ میں ہمیں جانا بھی ہے لازم
اور داد بھی دینی ہے اسے نوحہ گری کی

تیری اُلفت کا دم جو بھرتے ہیں
روز جیتے ہیں روز مرتے ہیں

بات کرتے ہیں خوشبو آتی ہے
مسکراتے ہیں پھول جھڑتے ہیں

آنکھوں میں بستے ہیں پہلے
دل میں چپکے سے پھر اُترتے ہیں

رگِ جاں سے قریب ہوتے ہیں
پھر وہ لوگ کیوں بچھڑتے ہیں

کانٹے تو یکسو ہوتے ہیں
یہ تو گل ہیں جو بکھرتے ہیں

◆

التجاؤں کا بے اثر رہنا
سب دعاؤں کا بے ثمر رہنا

وقتِ رُخصت یہ اس نے بولا تھا
لوٹ آؤں گا منتظر رہنا

عہدِ ماضی سے توڑ کر ناطہ
عہدِ حاضر سے بے خبر رہنا

آنکھ والو تمھیں نہیں معلوم؟
کتنا مشکل ہے بے نظر رہنا

گاؤں چھوڑا شہر چلے آئے
خانہ بردوش دربدر رہنا

شجر کتنا گھنا بھی ہو مظہرؔ
پھر بھی دُکھتا ہے بے ثمر رہنا

چندا اب تو آجا

دیکھ تو کتنی راتوں سے
تاروں کی بارات سجا کر
راہ تیری کو تکتے ہیں
چندا اب تو آجا

کتنی راتوں سے روزانہ
شام سے دیئے روشن کر کے
تیرا رستہ دیکھتے ہیں
چندا اب تو آجا

دن تو جیسے تیسے گزرے
رات کی تنہائی میں ہم کو
یادوں کے بھوت ڈراتے ہیں
چندا اب تو آجا

تاروں کی روشن آنکھیں
تیرا رستہ تکتے تکتے
بے نور سی ہوتی جاتی ہیں
چندا اب تو آجا

* * *

◆

آنکھ نے دیکھا تجھے تو دل نے چپکے سے کہا
خوش رنگ و خوش شکل، خوش سلیقہ، خوش ادا

تیرے چہرے کی چمک تیری زلفوں کی دھنک
تیری لہجے کی کھنک، تیری آنکھوں کی حیا

خوش لباسی، جامہ زیبی، امتزاجِ رنگ و بو
دل کشا سا پیرھن ریشم کے سانچے میں ڈھلا

اپنی ہی کم مائیگی اظہار سے مانع ہوئی
اس نے دیکھا، بات بھی کی اور رک کے چل دیا

ہم یہ مظہرؔ سوچتے تھے عشق نہ ہو گا کبھی
اِک نگاہِ ناز نے کر دیا ہے مبتلا

میں اکثر بھول جاتا ہوں بہت باتیں ضروری سی
لبوں پہ ٹوٹ جاتی ہیں تمنائیں ادھوری سی

کسی کا غم بٹانا ہو یا خوشیوں میں شراکت ہو
وہ سندیسے ضروری سے ملاقاتیں ضروری سی

نجانے کیوں ہوا اکثر کہ حسرت رہ گئی دل میں
پسِ اظہار یاد آئیں جو تھیں باتیں ضروری سی

تعلق بھی ادھورا سا محبت بھی ادھوری سی
کہ قربت میں پسِ پردہ ہے حائل کوئی دوری سی

کسی کے ہجر میں جاناں کبھی جاگو تو تم جانو
شبِ فرقت خیالوں میں جو ملتی ہے حضوری سی

ضیاءؔ جیسی بھی لکھی ہیں کسی کے نام کر ڈالو
یہ غزلوں اور نظموں کی سوغاتیں ادھوری سی

قافلہءِ ہم وطناں

راہبر نہ رہنما قافلہ چلنے کو ہے
نہ ہی منزل کا پتہ قافلہ چلنے کو ہے

خاک میں ملنے کو ہیں سب فراز و افتخار
راہ زن ہے رہنما قافلہ چلنے کو ہے

نوکِ سناں سے تیز تر راستے کے خار ہیں
آبلہ پا آبلہ پا قافلہ چلنے کو ہے

وسعتِ دامن نہیں اور دل بھی تنگ ہیں
نفرتوں کا سلسلہ قافلہ چلنے کو ہے

اس دعا کی نذر ہے مظہرؔ یہ عمرِ رائیگاں
قافلہ چلتا رہے قافلہ چلنے کو ہے

* * *

میرے جیسا عام سا لڑکا بھلا
کیسے بن سکتا ہے من کا دیوتا

یاد کر کتنے گِلے کرتی تھی وہ
میں نے تیری زلف کو چوما نہ تھا

مشکل تھا تیرے بعد واں پہ ٹھہرنا
تیرے جیسا شہر میں کوئی نہ تھا

درد دل میں ہو رہا ہے کچھ نیا
چارہ گر کر پائے نہ اس کی دوا

کس کے در پہ پھوڑتے سر جا کے ہم
تیرا سنگِ آستاں ہی نہ ملا

چارہ گر کیوں ڈھونڈتے پھرتے ہیں لوگ
مرض جب ہم کو لگا ہے لا دوا

آنکھ بھر کے دیکھنا تو تھا اسے
کب سے مظہرؔ منتظر تھا وہ تیرا

راہنمایانِ وطن

بات کرتے ہیں بھول جاتے ہیں
عہد کرتے ہیں توڑ دیتے ہیں

رشتہ پتھر سے جوڑ لیتے ہیں
سنگ سے سر کو پھوڑ لیتے ہیں

وعدوں کو توڑنے والے
ملکوں کو توڑ دیتے ہیں

چلتے جاتے ہیں قافلے والے
رہبری راہ زن سے لیتے ہیں

سورج کے ڈوبتے ہی ضیاءؔ
سائے منظر کو گھیر لیتے ہیں

◆

ہونا تھا جو ہو گیا ہے
پایا تھا جو کھو گیا ہے

ہجر کیا لازم ہے اب
عشق مجھ کو ہو گیا ہے

اُمید سلگتی ہو شاید
الاؤ ورنہ سو گیا ہے

مٹ جائیں یا باقی رہیں
زمانہ ہم کو رو گیا ہے

بچہ ماں کی گود میں
روتے روتے سو گیا ہے

خیر ہو میرے چارہ گر کی
درد کا درماں ہو گیا ہے

مظہرؔ آنکھ جھپک لے تو بھی
شہر تو سارا سو گیا ہے

زرد پتا

گزری رُت میں
ایک شجر سے
میں نے پوچھا
میری قسمت میں
کیا لکھا ہے؟
شجر سے ٹوٹا
زرد سا پتا
آن گرا
میرے دامن میں

اس پہ تھیں کچھ
آڑی ترچھی
ٹیڑھی میڑھی
چند لکیریں
اس تحریر کو
میں نے جانا
اس تحریر کو
میں نے سمجھا
جھوٹی خوشیاں
اپنا مقدر
سچے غم
اپنا انجام

◆

نوحے سنائی دیتے ہیں دھڑکنوں سے ہم کو
آنکھیں بھری ملی ہیں آنسوؤں سے ہم کو

خاک و خوں کی بارش ہونے لگی ہے ہر سُو
دھماکے سنائی دیتے ہیں آہٹوں سے ہم کو

ہر شخص مضطرب ہے ہر ذہن منتشر
یا رب کوئی نکالے ان اُلجھنوں سے ہم کو

دامن ہے صاف لیکن حسرت یہی ہے دل میں
دیتا کوئی صدائیں چلمنوں سے ہم کو

خوبیءِ گلستاں جب ٹھہری گلوں سے ہی مظہر
کوئی نہیں شکایت ان گل رخوں سے ہم کو

اپنے

دنیا میں چند نام ہیں اپنے، آئے نہ وہ بھی کام ہیں اپنے
ہم نے دیے تھے نام کئی، نکلے مگر بے نام ہیں اپنے

غمیوں بچھڑنا خوشیوں ملنا راہوں راہوں یونہی چلنا
ہوں زہر بھرے یا قند ملے، پینے کے پھر بھی جام ہیں اپنے

اپنوں میں چند لوگ ہیں ایسے، مر مٹنے میں راحت جن کو
غیر ہوئے جو ایسے ہوئے کہ سب ہی یہاں بدنام ہیں اپنے

سوکھے حلق تر کر کے لوگ ساری عمر نہ بھولے ہمیں
جو من بھائے سو جام پیئے پھر بھی تشنہ کام ہیں اپنے

◆

درد دل میں بسا کے چلتا ہے
ہم کو اپنا بنا کے چلتا ہے

یوں چلے جیسے کارواں کوئی
اپنا سب کچھ لٹا کے چلتا ہے

چاند بادل میں اب نہیں چھپتا
رُخ سے آنچل ہٹا کے چلتا ہے

پاسِ حیا سے یا تغافل سے
آنکھیں اکثر جھکا کے چلتا ہے

وقتِ رُخصت گلہ کیا اس نے
ہم کو اپنا بنا کے چلتا ہے

حاکمِ شہر نے پھر یہ پوچھا ہے
سر کیوں مظہرؔ اٹھا کے چلتا ہے

عکس

میری آنکھوں میں تیرا عکس
پردے پہ ثابت ایک نقش

آب کی صحرا میں دید
جیسے باراں کی نوید

راہی چاہے جیسے منزل
ناؤ ڈھونڈے جیسے ساحل

دل میں کندہ اور نہاں
پائیدار و جاوداں

تیری آنکھوں میں میرا عکس
پانی پہ بننے والا نقش

جیسے صحرا کا سراب
آب پر جیسے حباب

جیسے دھوئیں کا سفر
جیسے دریا کی لہر

کوندیں جیسے بجلیاں
ریت پر جیسے نشاں

آنکھ بھر دیکھو مجھے
سوچو اور سمجھو مجھے

آنکھ سے دل میں اُتارو
بس مجھے دل میں بسا لو

◆

دل شکستہ پاؤں چھالے کمر دوہری، بازو شل
پر تقاضا زندگی کا چل چلا چل اور چل

ڈوب جائیں گے ضیاؔء پھر یاس کے گرداب میں
چل سکے جب تک چلے یہ انتظارِ جاں گُسل

حوصلے اور ضبط کی ترتیب مشکل ہے بہت
رنج و غم کے حال میں آنسو بہانا ہے سہل

راہ ہے دشوار پیارے راہزن ہے تاک میں
خارزاروں میں اُلجھ نہ، وقت ہے اب بھی سنبھل

منزلِ مقصود کا جب مل گیا ہے راستہ
چھوڑ دیتے کیوں نہیں صحرا نوردی کا عمل

اپنے حصے میں ہمیشہ آئے ہیں ایسے ہی پھل
بیج بوئے تھے گلوں کے آئی کانٹوں کی فصل

مضطرب سے لوگ مظہرؔ، بے سکوں سی زندگی
حق کی دعوت جب چلی تو جائیگا سب کچھ بدل

⁂

درد باقی ہے نہ دوا باقی
نہ کوئی درد آشنا باقی

دل بھر گیا ہے جینے سے
مرنا ہی رہ گیا باقی

کون جانے موت آئے کب
کب تک ہے یہ سزا باقی

دل سے عزیز لوگوں میں
نہیں کوئی آشنا باقی

مظہؔر کہاں رہا مظہؔر
رہی نہ جب ضیاء باقی

⁂

خود جس نے مجھے اپنا بنایا لوگو
وہ شخص بھی نکلا ہے پرایا لوگو

تم سب نے جسے چھین لیا ہے مجھ سے
تھا وہ میرا اپنا ہی سایہ لوگو

بال بنائے تو کبھی بال بکھیرے
انداز اسے کوئی نہ بھایا لوگو

کیسا ہے وہ فنکار کہ رنگِ حنا سے
دل میرا ہتھیلی پہ سجایا لوگو

جہدِ مسلسل سے نہ جی اپنا چراؤ
جس نے ڈھونڈا اسی نے پایا لوگو

الزام مجھے دیتے ہو کیوں اس کی جفا کا
دستورِ وفا میں نے نبھایا لوگو

* * *

کرتا ہوں تیرے نام یہ حالات لہو رنگ
درد میں ڈوبے ہوئے جذبات لہو رنگ

ٹوٹے ہوئے سپنوں کی کرچیاں چنتے
دامن ہے دریدہ اور ہاتھ لہو رنگ

کیا بات ہے پیارے کچھ بول نا آخر
ہر لفظ تیرا نشتر ہر بات لہو رنگ

نین تیرے مظہرؔ پہلے بھی برستے تھے
کب سے ہے ہونے لگی برسات لہو رنگ

چندا گہن میں ہے دیکھو تو ضیاءؔ آج
نکلی ہے تاروں کی بارات لہو رنگ

◆

چاہے ہیرا ہو یا کہ ہو کنکر
نکلا پتھر سے اور ہے پتھر

کوئی وجہ تو اس کی ہو گی نا
رُخ سے لپٹی ہے یاس کی چادر

کاہے چھوڑا ہے دامنِ اُمید
باتیں کرتا ہے یاس کی اکثر

کون ظالم تھا جس نے ظلم کیا
بولا ظالم یہ کہانی سن کر

جانے والا نہ لوٹ کر آیا
وقت کتنا گزر گیا مظؔہر

◆

دل شکستہ آنکھ نم ہونے کو ہے
اہتمامِ جشنِ غم ہونے کو ہے

لبریز کر دے جام ساقی، ذہن میں
جاگزیں پھر رنج و غم ہونے کو ہے

بارہا گرچہ لیا ہے امتحاں
شوخ پھر محوِ ستم ہونے کو ہے

ظلمتوں کی رات اب چھٹنے کو ہے
روشنی بس کوئی دم ہونے کو ہے

پھر کسی کو سوز کی دولت ملی
خبر یہ مظہرؔ گرم ہونے کو ہے

چشمِ خُشک

ہم نے دیکھی ہیں وہ ویران وہ صحرا سی آنکھیں
اشکِ تر کو ترستی ہوئی پیاسی آنکھیں

سرخ اتنی کہ لہو جیسے ٹپک جائے گا
درد سے چیختی چلاتی ہوئی روتی آنکھیں

ریگ زاروں میں بھٹکتی ہوئی بھاری پلکیں
نور سے ڈرتی ہوئی کرنوں سے اُلجھتی آنکھیں

اتنی اُلجھن کہ کوئی نوچ کے پھینکے دیدے
ٹمٹماتی ہوئی جلتی ہوئی بجھتی آنکھیں

قطرہءِ اشک جو سیراب کرے کشتِ ویراں
چارہ گر ڈھونڈتی پھرتی ہیں سوالی آنکھیں

◆

صاف صاف کیوں نہیں کہتے
پیار ہم سے تم نہیں کرتے

تیری آنکھیں یہ ہم سے کہتی ہیں
تیرے دل میں ہم نہیں رہتے

ہوا کیا جو کھو گئی منزل
تیز تیز کیوں نہیں چلتے

تم خزاں کی بات کرتے ہو
گل بہار میں نہیں کھلتے

جائیے در نہ کھولیں گے
ہم کسی سے بھی اب نہیں ملتے

آنکھوں میں جھانکتے کیا ہو
میرے دل میں تم نہیں بستے

سایۂِ ''فردوس''☆

وہ زندگی کے سفر میں اک سایۂِ فردوس تھا
ابر بن کے پیار کا وہ زندگی پہ چھا گیا

کونپلیں کلیاں شگوفے کِھل کے مہکے چارسُو
مختصر تھا گرچہ وقفہ پیار کی برسات کا

اک ہوائے تُندرَو پھر میرا بادل لے اڑی
درپیش تھا فردوس کو لمبا سفر فردوس کا

☆ خالہ جان کے بیوہ ہونے پہ لکھی گئی۔ فردوس خان مرحوم خالو جان کا نام تھا۔

کونپلیں کلیاں شگوفے میری ذاتِ نارسا
دھوپ کی پھر شدتوں سے میرا گھر جلنے لگا

میں نے چادر پیار کی سورج کے رخ پہ تان دی
میں تو جھلسی باغ لیکن پھولنے پھلنے لگا

لوگ کہتے ہیں سفر یہ ایسے بھی کٹ جائے گا
میں بھی اب یہ سوچتی ہوں کٹ گیا کٹ جائے گا

دیارِ شہر میں ویراں ہے میرا گھر ایسے
بھری بہار میں بے برگ ہو شجر جیسے

آنکھیں تری تلاش میں ہیں سرگرداں
ملنے کے بعد کھوئی ہو نظر جیسے

مرا وجود کہ جیسے شام ڈھل جائے
ترا سراپا ہے کھلتی ہوئی سحر جیسے

معاملہ کچھ اس طرح سے بگڑا ہے
دعاؤں میں نہ ہو باقی اثر جیسے

جینا تیرے بِنا ہو جیسے بے معنی
ملنا تیرا ہو زیست کا ثمر جیسے

◆

بھر گیا دل زندگی سے
بے کسی اور بے بسی سے

اب تو ہم یہ سوچتے ہیں
موت بہتر ہے زندگی سے

کرتے ہیں پیار تیرگی سے
رہتے ہیں دور روشنی سے

مخمور ہے سارا جہاں
تیرے نینوں کی دلکشی سے

یہ ایک غم ہم کو نہ ہو تو
مر نہ جائیں ہم خوشی سے

سفر کے آغاز میں ہی
ڈگمگائیں ماندگی سے

کوئی غم ہم کو نہیں ہے
دل جلائیں دل لگی سے

دل پہ جو گزری ہے مظہرؔ
ہم نہ بولیں گے کسی سے

ہجرت

گھر سے ہم جب روٹھ کے چلنے لگے
دل نہ کرتا تھا قدم اُٹھتے نہ تھے

ذہن و دل پہ اک دھواں سا چھا گیا
اور منظر راہ کے دھندلے سے تھے

ہر قدم پہ لوٹ جاؤں کا خیال
پر قدم اُٹھتے رہے اٹھتے رہے

تا عمر وہ قربتیں نہ مل سکیں
فاصلے یوں درمیاں حائل ہوئے

رشتوں ناطوں کا بھرم تو نہ رہا
بس تعلّق سرسری باقی رہے

گھر سے ہجرت عارضی تھی مظہریؔ
مڑ کے دیکھا تو سبھی در بند تھے

ہجرت کے بعد

یاد کر لینا مجھے
محسوس کر لینا مجھے
زندگی کے مرحلوں میں
قہقہوں اور تبصروں میں
یاد کر لینا مجھے
محسوس کر لینا مجھے
آغازِ شب کی محفلیں
برپا اگر ہونے لگیں تو
یاد کر لینا مجھے
محسوس کر لینا مجھے

میں نہ گرچہ وہ رہا
کہ آپ مجھ کو چاہتے پر
یاد کر لینا مجھے
محسوس کر لینا مجھے

شام کے رنگوں پہ میرا
رنگ جب چھا جائے تو
یاد کر لینا مجھے
محسوس کر لینا مجھے
بات جب حد سے بڑھے
اور فیصلہ نہ ہو سکے تو
یاد کر لینا مجھے
محسوس کر لینا مجھے

◆

تو نے ٹھکرایا تو دل جذبوں سے خالی ہو گیا
ایسے لگتا ہے جہاں رنگوں سے خالی ہو گیا

ٹوٹے ہیں جب سے حوصلے اور آس جب سے مٹ گئی
تب سے اپنا ذہن بھی سوچوں سے خالی ہو گیا

چاند بھی ان نیلگوں سی وسعتوں میں کھو گیا
صبحِ کاذب آسماں تاروں سے خالی ہو گیا

☆بلبلِ شیریں گلو، روزِ گذشتہ مر گئی
اور سارا گلستاں نغموں سے خالی ہو گیا

ہم کو گلدستہ بنانے کا خیال آیا تو تھا
صحنِ گلشن ہی ضیاؔء پھولوں سے خالی ہو گیا

☆ یہ شعر ملکہ ترنم نور جہاں کی وفات پہ لکھا گیا۔

دُختر اُمت

(ڈاکٹر عافیہ صدیقی)

اسلام کی بیٹی ہوں حیا اور ہے میری
ہے عزم میرا پختہ رضا اور ہے میری

یہ جرم نہیں میرا جو ہے فردِ جرم میں
قاتل سے ذرا پوچھو خطا اور ہے میری

بے بس ہے مسلمان یا غیرت سے ہے عاری
حجّاج ہیں بہرے یا صدا اور ہے میری

تو موت سے خائف میں شہادت کی طلبگار
ہے تیری طلب اور دعا اور ہے میری

میں دخترِ امّت ہوں یہ سنّت ہے حُسینیؓ
کنبے کو کٹایا ہے جزا اور ہے میری

روح و بدن کے ہیں زخم موت سے بڑھ کے
ظالم ابھی کہتا ہے سزا اور ہے میری

بیچو نہ درندوں کو میں بیٹی ہوں بہن ہوں
کہتا ہے محافظ کہ وفا اور ہے میری

چاہے میں کٹ جاؤں، بچے امّتِ احمدؐ
ہر ایک مصیبت سے، دعا اور ہے میری

زینبؓ و سمیّہؓ سی شہادت کی تمنا
تعریفِ بقا اور فنا اور ہے میری

ڈھانپیں گے میرا سر میرے آقاؐ میرے مولاؑ
آنچل جو چھنا ہے تو رِدا اور ہے میری

ایمان کا کمزور سا درجہ ہے اگرچہ
مظہرؔ ہے میرا نام ضیاء اور ہے میری

گلستاں پر بہار زیادہ ہے
باغباں بے قرار زیادہ ہے

کچھ تو آنے میں دیر کی تم نے
اور کچھ انتظار زیادہ ہے

یوں تو عرصہ ہوا ملے تم سے
آج دل بے قرار زیادہ ہے

آپ بچھڑے ہیں بارہا ہم سے
دل پہ کیوں آج بار زیادہ ہے

زندگی بے یقین لگتی ہے
موت کا اعتبار زیادہ ہے

اُن کو پاسِ حیا، ہمیں مظہرؔ
خود پہ کچھ اختیار زیادہ ہے

برکھا

آئی ہوائیں برکھا کی
لہرائی گھٹائیں برکھا کی
البیلی ادائیں برکھا کی
آئی ہوائیں برکھا کی

کھلتی کلیاں چٹکتے پھول
نم آلود مہکتی دھول
شاید وہ ہم کو گئے ہیں بھول
یادیں تڑپائیں برکھا کی

برکھا آئی تم نہیں آئے
آہ تمھاری زلفوں کے سائے
شاید ہیں وہی لہرائے
کہ بوندیں آئیں برکھا کی

* * *

انتشارِ ظلمت سعید ہوتا ہے
صبحِ روشن کی نوید ہوتا ہے

بیش قیمت ہے آنکھ کا پانی
خونِ دِل سے کشید ہوتا ہے

کائی غم کی رگوں میں جمتی ہے
درد دل میں شدید ہوتا ہے

اب لڑائی میں ہر دو جانب سے
مرنے والا شہید ہوتا ہے

دل سے مت پوچھ کہ فیصلہ دل کا
عقل سے مظہؔر بعید ہوتا ہے

تیری محفل سے جو بھی آیا ہے
آنسو آنکھوں میں بھر کے لایا ہے

ایسے لگتا ہے تو نے دستک دی
ہوا کے جھونکے نے در ہلایا ہے

کوئی لوٹا دے ماہ و سال میرے
جانے والا تو لوٹ آیا ہے

پھول مہکے ہیں کلیاں چٹکی ہیں
کوئی دھیرے سے مسکرایا ہے

تو ابھی یہاں سے گزرا ہے
تیری خوشبو نے یہ بتایا ہے

آؤ پوچھیں ذرا یہ مظہرؔ سے
سوز دل کا کہاں سے پایا ہے

⁂

ہر طرف ہیں قہقہے اور یہ کبھی ہنستا نہیں
دل کو کچھ سمجھاؤ نا کیوں یہاں لگتا نہیں

کوئی اس ویران گھر میں آئے تو خوش آمدید
آسیب نے گھیرا ہے شاید کوئی بھی بستا نہیں

کس لیے ہے میری جاں اتنی کبیدہ خاطری
تم یہ سمجھو جیسے میں اس شہر میں رہتا نہیں

تیری زلفوں نے مجھے نہ جانے کیسے ڈس لیا
جب تلک نہ چھیڑے کوئی سانپ بھی ڈستا نہیں

ایسا بھی اک شخص ہمدم ہے ہمارا مظہریؔ
سب کی سنتا ہے مگر اپنی کبھی کہتا نہیں

◆

دوستی جو نہ رہی تو دشمنی لازم تھی کیا
سوغات نفرت کی مجھے بھیجنی لازم تھی کیا

محفل میں میرے ذکر پہ خامشی بہتر نہ تھی
تنقید اور تنقیص کی خنجر زنی لازم تھی کیا

تیری مجلس سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوا
قربت رقیبوں سے تیری دیکھنی لازم تھی کیا

کوئی پوچھے تو بھلا یہ حضرت عزرائیل سے
جان لے لیتے مگر جاں کنی لازم تھی کیا

اب کٹہرے میں کھڑے ہو کر بتاؤ مظؔہری
درد کی دولت جہاں میں بانٹنی لازم تھی کیا

پیرنظری

Presbyopia

دور اندیش جب سے ہو گیا ہوں
قریب سے کچھ نہیں دِکھتا

شمع محفل

مانا ہے تیرے دم سے سب رونقِ مے خانہ
پر نام لکھوں کس کے گھر کا یہ ویرانہ

بن پوچھے ہم کیوں بتلائیں، کیا ہم کو انا کا پاس نہیں
اظہارِ تمنا ہم کیوں کر دیں، تو جو چہرہ شناس نہیں

* * *

چندا ڈوبا، سوئے ستارے، نکلا سورج، ہوا سویرا
اپنے من آنگن میں، اب تک چھایا ہوا ہے گھور اندھیرا

* * *

پسِ پردہ کوئی بات ہے لازم
ضیاؔء جو اتنا اداس پھرتا ہے

* * *

ہمیں تو شرمانے کی عادت ہے مگر
آپ تو ہم سے شرمایا نہ کریں

* * *

دان

تو نے توڑا مان ہمارا، اب ہم کس پہ مان کریں
اپنی جاں سے ہم گزرے ہیں، اور کسے قربان کریں
موسمِ گل میں آندھی آئی، سب کچھ اس کی نذر کیا
سوکھے ہوئے بے برگ شجر اب، پت جھڑ کو کیا دان کریں

آنے والی ساعتوں کی فکر میں گھلتے رہیں
بیت جائے جو گھڑی، پچھتاوا دے جائے ہمیں

* * *

کچھ نہ کیا ہم نے بجز کارِ ندامت
عمر کٹی کرتے ہوئے خود کو ملامت

* * *

ایجاب وقبول

کہنے کو تو جاناں تُو راضی بہ رضا ہے
پوچھو جو اصل میں تو رضا اور ہے تیری
لکھیں گے تیری چپ کو تیری ہاں کے مقابل
معلوم ہے ہم کو کہ رضا اور ہے تیری

میرے جرائم کی سزا موت نہیں ہے
وقت کا قاتل ہوں سزا اور ہے میری

* * *

جانے کس بات پہ دل ریجھا ہے
ورنہ تم اتنے حسیں تو نہیں ہو

* * *

واپسی

کوچہ ہائے زندگی سے لوٹ کے آئے یوں گھر
بعد مدت جیسے بچہ ماں کی گودی میں اداس

شکستہ لفظ

کانپتے ہاتھوں کی یہ تحریر تیری ہی تو ہے
خوب میں پہچانتا ہوں لفظ یہ شکستہ سے

شامِ بسنتر☆

میرے گاؤں کے بسنتر کے کنارے کا سماں
کرنوں کا رقصِ الوداعی ، شام ہوتی ہے جواں
اِس قدر خاموش ہے، پانی کو بھی احساس ہے
اِک ذرا سی لہر اٹھی، ٹوٹ جائے گا سماں

☆ بسنتر: گاؤں کے ساتھ بہنے والا برساتی نالہ۔

سوکھے پیڑ

سوکھے ہوئے پیڑوں سے کیا میں نے کلام
مسلے ہوئے پھولوں کے سنے میں نے پیام
دل کی باتیں وہ میری سننے لگے اب
زرد پتوں کو ہے بخشا میں نے وہ مقام

◆

رخِ روشن نہیں اپنی قسمت
شبِ ظلمات تو ہے نا پیارے
حسن تیرا نہ سہی تیرے دم سے
حسنِ خیالات تو ہے نا پیارے

◆

ساتھ جینا ساتھ مرنا، میں قسم یہ کھاؤں کیسے
میرے ہاتھوں کی لکیریں ہیں بہت اُلجھی ہوئی

تیرے بلاوے پہ ہم نہ آئیں، ایسے بھلا کیا ہوسکتا ہے
تو روٹھے اور ہم نہ منائیں، ایسے بھلا کیا ہوسکتا ہے

* * *

کس قدر سونا ہے گھر کا آنگن
دل میں نہ اُتر جائے یہ سونا پن

کھل کے برسا تو، مگر ہم پیاسے
کتنا بے درد رہا، اب کے ساون

انہی سوچوں میں عمر گزرے گی
کیسے گزرے گا تیرے بن جیون

چارہ گر لگتا نہیں ہے نبض شناس
گنتا جائے ہے دل کی دھڑکن

زندگی نے ہمیں گزارا ہے
کب گزارا ہے ہم نے یہ جیون

مر بھی جائیں تو دنیا یاد کرے
یوں بتائیں گے مظہریؔ جیون

مظہرِ ضیاء

کہاں گئی روشنی اُس کی
وہ مظہرِ ضیاء کیا ہوا
وہ شخص جو اپنی ذات میں
تھا اِک تماشا کیا ہوا

میں اور عشق اس کا، ہے ناں عجیب بات
وہ اور ہجر میرا، ہے ناں عجیب بات

صبح سی اجلی رنگت لیکن پسند اس کی
اک شام رنگ چہرہ، ہے ناں عجیب بات

چاہتے ہیں جس کو اس ہی کی زباں سے
اظہار کی تمنّا، ہے ناں عجیب بات

وہ آیا جو نظر تو جاگتے ہوئے ہی
خواب سا ہے دیکھا، ہے ناں عجیب بات

اتنی رفاقتوں کے بعد بھی ضیاؔء میں
اجنبی ہی ٹھہرا، ہے ناں عجیب بات

اسیرِ وفا

تیرا مجنوں تیری خاطر خاک میں مل جائے گا
کون تیری مانگ میں سیندور بھرنے آئے گا

صیّاد کا احسان اب یہ بھی تو مانا جائے گا
میرا گھر ہی آج سے میرا قفس کہلائے گا

تیرا مجنوں مٹ گیا تو یاد رکھ دشتِ جنوں
خارزاروں میں نہ کوئی آبلہ پا جائے گا

جرمِ وفا کی ذیل میں ہے زہر پینے کا رواج
چلتا آیا ہے ازل سے اور چلتا جائے گا

دشتِ جنوں ہے سنگ ہیں شیریں بھی ہے فرہاد بھی
لائیں گے جوئے شیر تیشہ سر کو بھی ٹکرائے گا

برسرِ عالم ہوا اقرارِ نا کردہ گناہ
یہ ظلم تھا یہ جبر تھا ایسے ہی لکھا جائے گا

وائے اے دیوانگی نہ مل سکا حرف نہی
کاش جابر جانتا کہ حرف تجھ پہ آئے گا

تیرا قیسِ ناتواں اب یوں قفس میں بس گیا
در جو وا ہو بھی گیا تو صَید اڑ نہ پائے گا

تیرا پاگل تیرا رسوا تیری حُرمت کے لیے
تمغۂ رسوائی کے سینے پر سجاتا جائے گا

ایوان اور زندان میں ہے فرق ہم سے پوچھ لے
جاننا بہتر ہے ظالم وقت تجھ پر آئے گا

حکمرانی کیلئے لازم رعایا ہے حضور
مظلوم گر مٹ جائیں گے تو ظلم کس پہ ڈھائے گا

میں تو مٹنے کو ہوں راضی سوچ لو کہ میرے بعد
اٹھ جائے گی خوئے وفا عہدِ جنوں لُٹ جائے گا

پیچ ہائے زلفِ جاناں کب کھلیں گے مظہرؔی
یہ اسیرِ زلفِ لیلیٰ کب رہائی پائے گا

* * *

* * *

اقبالِ جرمِ دل لگی ہے کیا سزا سنواؤ گے
کھال کھنچواؤ گے یا دیوار میں چنواؤ گے

گزرے لمحوں کی طرح میں نہ لوٹوں گا کبھی
جانتا ہوں میری جاں تم بہت پچھتاؤ گے

یہ بھی ہے معلوم کہ تم دیر کر دو گے بہت
یہ بھی لازم ہے مگر کہ لوٹ کے تم آؤ گے

آئینے کے سامنے گر بھول کے بھی آؤ گے
اپنے جیسا آدمی اپنے مقابل پاؤ گے

درد کی سوغات اکثر بھیجتے رہتے ہو تم
جو دیا ہے مظہریؔ نے بس وہی لوٹاؤ گے

◆

ایک وقتِ خاص تک دنیا میں اب رہنا تو ہے
اپنے حصے کا الم ہر حال میں سہنا تو ہے

کب تلک اظہار سے محروم رکھو گے ہمیں
حق نہ گرچہ ہو ادا پھر بھی کچھ کہنا تو ہے

دِل پہ گر نہ پائے تو گال پر آئیں گے وہ
آنسوؤں کو آنکھ سے ہر حال میں بہنا تو ہے

افتخارِ وقت کے حرف نہی نے کہہ دیا
چاہے اچھا نہ لگے سچ ہمیں کہنا تو ہے

کیسے پہچانے کوئی ذِئب ہائے وقت کو
سب نے لبادہ آدمی کا مظہرؔی پہنا تو ہے

بات من کی یارِ من، من میں رہے گی کب تلک
یونہی رسمی گفتگو چلتی رہے گی کب تلک

ٹھکرائے جانے کا گماں رد کیے جانے کا خوف
قوتِ اظہار میرا ساتھ دے گی کب تلک

کب تلک اے جانِ جاناں ہم رہیں گے منتظر
تجھ کو پانے کی خوشی ہم کو ملے گی کب تلک

بے کسی و بے دلی و بے بسی، بے چارگی
زخم خوردہ زندگی آگے چلے گی کب تلک

ہمدم ہمارا آج کل برگشتہ خاطر سا پھرے
بات اندر کی ضیاءؔ ہم پہ کھلے گی کب تلک

◆

اس کی ادا مجھ سے جدا اور سب انداز بھی
کہنے کو میرا ہمسفر ہمدم بھی ہے ہمراز بھی

دیکھو جاناں اس طرح ہم کو رسوا نہ کرو
بھید ورنہ کھول دیں گے اور سارے راز بھی

اس تعلق کی کہانی کیا سنائیں آپ کو
کیا کہیں انجام کی ملتا نہیں آغاز بھی

محفل میں سارا وقت وہ سی کے لب بیٹھا رہا
چشم ہائے سرمگیں نے کہہ دیئے کچھ راز بھی

زندگی کو مظہریؔ ہم نے یوں سوچا نہ تھا
ہوں گی یہ محرومیاں بھی اور یہ اعزاز بھی

اغراض کی دنیا میں محشر سا بپا ہے
کس نے کسے کیسے کہاں یاد کیا ہے

بھائی ہے بہن ہے بیٹا ہے نہ ماں ہے
رشتہ ہے نہ ناطہ ہے نہ حرفِ دعا ہے

سنتے تھے کہ محشر میں نہ ماں بیٹے کی ہو گی
لگتا ہے کہ محشر یہیں دنیا میں سجا ہے

تیری دعاؤں سے یہ خارج جو ہوا ہے
کیا اِس نے تیری کوکھ سے ہی جنم لیا ہے

کیا خون کے رشتوں کی ضیاءؔ بات کرو گے
بھائی ہی تو بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے

◆

یاد وہ جب منظر آئیں
آنکھ میں آنسو بھر آئیں

دیکھو میرا یہ حال اگر
تو نین کٹورے بھر آئیں

نظرِ کرم ہے ساقی کی
جام نہ خالی نظر آئیں

آؤ چلیں خیالوں میں
ذرا سیرِ جنت کر آئیں

موسمِ گل میں مظہرؔ کیوں
دل کے داغ ابھر آئیں

◆

بڑھ کے نہ قدم لینا، کرنا نہ پذیرائی
شاید کہ سنبھل جائے تیرا پاگل تیرا شیدائی

بخشو میرے مالک مجھے اب تو رہائی
عمر کی قید بھی کاٹی، سزا بھی موت کی پائی

دست بہ سنگ جونہی مجمعے میں تجھے دیکھا
رخصت ہوا دنیا سے جاناں تیرا سودائی

چپ چاپ نکل آیا اپنا سا منہ لے کے
محفل میں کسی نے بھی نہ کی جو پذیرائی

آنکھوں میں چمک آئی نہ ہونٹوں پہ تبسم
اِس ترکِ تعلق میں نہیں رمقِ شناسائی

کوئی نقش نہیں واضح دھندلے سے مناظر ہیں
ایسے میں بہل جائے کیسے میری تنہائی

پوچھیں گے کسی روز ضیاءؔ راکھ کے ڈھیروں سے
عشق کی یہ آگ بھلا کس نے تھی دہکائی

⁂

خوشبوئے گلستاں میرے زنداں میں یوں در آئی
صیاد نے دیکھا نہ محافظ کو نظر آئی

پھولوں کی خوشبو میں شامل ہے تری خوشبو
لگتا ہے صبا تجھ کو چھو کے ہے گذر آئی

آئینہ خانے میں جدھر دیکھوں، تو ہی تو
تصویر تری آنکھ سے یوں دل میں اتر آئی

تھک ہار کے بیٹھی ہے تنہا کسی گوشے میں
یاد تری کر کے بہت لمبا سفر آئی

نظروں سے اُسے کیسے دنیا کی چھپائیں
جو بات ہمیں مظہؔر خود میں ہے نظر آئی

مسیحائی

کب مرض ہوا رُخصت، کب میں نے شفا پائی
سنتے ہیں ملا تجھ کو اعجازِ مسیحائی

لازم ہے بصد عجز مسیحا سے دعا لینا
فقط دواؤں میں شفا ہے نہ مسیحائی

اعجاز فقط ملتا ہے محنت سے لگن سے
دل کی ہو جگر کی یا آنکھوں کی مسیحائی

دل کو نہ سمجھا ہے نہ جانا ہے جگر کو
فرصت ہی نہیں دیتی آنکھوں کی مسیحائی

روشن ترے بندوں کی آنکھیں بھی ہوں دل بھی
مظہرؔ کو ملے یارب اعجازِ مسیحائی

بینائی

اے عشق کے طالب کیا چاہتے ہو بولو
آنکھ سے بڑھ کے ہے کہیں قلب کی بینائی
اسرار و رموز اس پہ کھلیں ہر دو جہاں کے
مظہرؔ کو عطا کر دے وہ قلب وہ بینائی

مجلسِ اطبّاء

(Medical Board)

سر جوڑ کے بیٹھے ہیں سبھی چارہ گراں میرے
بیماری کبھی ایسی پہلے نہ نظر آئی
خونِ جگر سے پھر لکھی ہے دوا میری
اور میرے مسیحا کی آنکھ بھی بھر آئی

الحفیظ الاماں☆

جل چکے ہیں آشیاں
ہم ہو چکے بے خانماں
پھر بھی ہے برہم آسماں
گرتی ہیں پیہم بجلیاں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

نفرتوں کا زہر ہے
نظر ہے نہ خبر ہے
دائروں کا سفر ہے
کھو رہا ہے کارواں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

☆ دہشت گردی کے تناظر میں لکھی گئی یہ نظم روزنامہ جنگ کے ادبی صفحہ پر 21.03.2015 کو شائع ہوئی۔

میرے وطن میں ہر سحر
آئے ہے مقتل سے خبر
لاشے ، لہو اور ایک سر
قاتل مگر دائم نِہاں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

بھیجا تھا کتنے چاؤ سے
ماں نے مسجد میں اُسے
آیا لہو میں ڈوب کے
مقتل بنی جائے اماں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

ایسے اجڑا ہے چمن
اوڑھے پھولوں نے کفن
ربِّ عالم دے امن
قوم کی سن لے فغاں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

دل کے ٹکڑے، جگر گوشے
ٹہنیوں سے پھول نوچے
سنگ دلوں سے کوئی پوچھے
حشر ہے برپا یہاں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

کب سے جاری ہے یہ وحشت
بربریت اور دہشت
دل پہ برپا ہے قیامت
اشک آنکھوں سے رواں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

وحشی ہیں یہ انسان کش
دین کش ایمان کش
عہد کش پیمان کش
بن جائیں گے عبرت نشان
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

ہم کو ہو حکمت عطا
حوصلہ ہمت عطا
صبر اور جرأت عطا
اور فتح جاوداں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

حد جو قائم ہو گئی
اب توبہ لازم ہو گئی
جب قوم نادِم ہو گئی
تو ہو گا رب بھی مہرباں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

اے خالقِ ہر دو جہاں
رحم کر بر عاصیاں
اور کتنا اِمتحاں
مِٹ رہی ہے داستاں
وحشتوں کا یہ سماں
الحفیظ الاماں

◆

حائل ہیں نگاہوں میں اشکال نئی سی
عمرِ رواں نے ہے چلی چال نئی سی

عدسے میری آنکھوں کے جب سے ہیں بدلے
ہر پات نیا لگتا ہے ہر ڈال نئی سی

قلب سے اُٹھتی ہیں یا سینے سے، جگر سے
درد کی لہریں ہیں بہرحال نئی سی

کون مسیحائی کرے کس سے دوا لوں
اُفتاد پڑی دل پہ امسال نئی سی

ماضی کے سمندر میں یادوں کے بھنور سے
ڈالے ہیں میرے گرد دھمال نئ سی

جگجیت اور چترا نے غزل جو چھیڑی
سُر بھی نئے بخشے اور تال نئ سی

جس نے بھی کیا وار لوٹے گا اُسی پہ
مظہرؔ کو میسّر ہے کوئی ڈھال نئ سی

◆

جانتے ہیں ہم نہ تیرے دل میں ہو پائے مکیں
وادیِ گلرنگ یہ آباد بھی ہے یا نہیں

اِس طرح خائف سفر سے ہو گئے ہیں لوگ اب
گھر میں جیسے بیٹھنے سے موت آئے گی نہیں

اے رفیقو میرے حق میں اب دعائیں ہی کرو
تیر ہائے نیم کش کی ضد پہ ہے قلب حزیں

دیکھتا ہے جو بھی تجھ کو رکھتا رہے وہ دل پہ ہاتھ
تم نے دل پہ جاں کبھی ہاتھ رکھا یا نہیں

لوگ کہتے ہیں ضیاؔء دیوانہ کیسے ہو گیا
میرے دل پہ جو گریں، وہ بجلیاں کچھ اور تھیں

میرے کاندھے پہ سر رکھو کسی کی یاد میں رو کے
میرے پہلو میں سو جاؤ کسی کے خواب میں کھو کے

ضیاءؔ اِن چال بازوں کو کوئی سمجھے کوئی روکے
ارے ہم آنکھ والوں کو بھی آنکھوں نے دیئے دھوکے

* * *

رنج و غم کے سِلسلوں کی بات چلنے دو ابھی
مسئلوں اور اُلجھنوں کی بات چلنے دو ابھی

نیند آئے گی کبھی تو دیکھ لیں گے خواب بھی
ہجر کی اور رتجگوں کی بات چلنے دو ابھی

جانتے ہیں وقتِ نزع آئے گا اور موت بھی
زندگی کے مخمصوں کی بات چلنے دو ابھی

منزلوں اور مقصدوں کی بات ہوگی پھر کبھی
راستوں اور قافلوں کی بات چلنے دو ابھی

گزری کل کو بھول جا، آئے گی کل دیکھ لیں گے
آج ہی کے مسئلوں کی بات چلنے دو ابھی

⁂

سنبھلو اور سنبھلنے دو
بات نہ حد سے بڑھنے دو

ہوگا ملنا جلنا بھی
گھاؤ دِلوں کے بھرنے دو

چھوڑو دنیا داری کو
دِل کی باتیں کرنے دو

اور کہوں کیا چارہ گر سے
جینے دو یا مرنے دو

کوئی تو صورت نِکلے گی
بات کو آگے بڑھنے دو

مظہرؔ کب مانے گا میری
عشق کی سولی چڑھنے دو

میرِ کارواں

﴿استادالاساتیذ پروفیسر راجہ ممتاز علی قلی خاں مرحوم﴾

کارزارِ فنا و بقا میں جیت ہمیشہ فنا ہی کے حصے میں آئی۔ 2010ء پروفیسر راجہ ممتاز علی قلی خان صاحب کے اِس دارِ فانی سے جہانِ باقی کی طرف کوچ کا سال ٹھہرا۔

یہ 1991ء کے وسط کی بات ہے جب راقم الحروف کو لیٹن رحمت اللہ رفاہی آئی ہسپتال (Layton Rehmatullah Benevolant Trust) میں بطور میڈیکل آفیسر کام کرنے کا موقع ملا۔ یوں استادِ محترم ڈاکٹر طارق سعید صاحب کے ساتھ ساتھ پروفیسر راجہ ممتاز، پروفیسر منیر الحق، پروفیسر واصف قادری اور ڈاکٹر محمد یقین صاحب کی معاونت کا افتخار بھی ہمارے حصے میں آیا۔ یہ سب حضرات ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ ہماری رہنمائی کیلئے مذکورہ ہسپتال میں تشریف لاتے تھے۔

موسمِ بہار کی ایک روشن صبح سفید، بے داغ شلوار قمیض میں ملبوس، سر پہ روایتی ٹوپی پہنے، ایک پُر وقار بزرگ ایل آر بی ٹی ہسپتال کے ایک کمرہ معائنہ میں تشریف لائے۔ راجہ صاحب آ گئے کا غلغلہ بلند ہوا اور سینئرز کی کم یابی کی بنیاد پر ایک جونیئر ڈاکٹر یعنی مجھے ان کی معاونت کا حکم ملا۔ یوں اس عہد ساز عظیم شخصیت

سے ایک تعلق خاطر کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ خاکسار کو مرحوم سے براہ راست مستفید ہونے کا موقع گرچہ کم ملا لیکن گرامی قدر اساتذہ پروفیسر واصف قادری صاحب، پروفیسر محمد طیب صاحب اور پروفیسر عمران اکرام صحاف صاحب کے توسط سے مرحوم راجہ صاحب یقیناً میرے دادا استاد قرار پاتے ہیں۔

ایل آر بی ٹی کے سربراہ پروفیسر کرنل نجیب مرحوم اور محترم ڈاکٹر ظہیر الدین عاقل قاضی صاحب کی مسلسل حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں مارچ 1994ء میں ناچیز کو ایل آر بی ٹی ہسپتال کی تاریخ میں پہلا پرائمری ایف سی پی ایس پارٹ ون پاس کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ نتیجہ موصول ہونے کے بعد پہلی ملاقات پر پروفیسر راجہ ممتاز صاحب نے انتہائی شفقت اور محبت سے سو روپے کا نوٹ انعام میں عطا فرمایا جو تادیر میرے پرس کی زینت بنا رہا۔ آخرش میری طبعی سستی اور مالی تنگی کی نذر ہوا اس کے کھو جانے کا ملال ہنوز باقی ہے۔

لاہور آفتھالمو 1996ء منعقدہ الحمرا آرٹ سنٹر میں راقم کو زندگی میں پہلی مرتبہ قومی سطح پر تحقیقی مقالہ ''آنکھ کے آپریشن کے بعد ہونے والی انفیکشن اور سوزش'' (Treatment of endophthalmitis with intravitreal injections) پڑھنے کا موقع ملا۔ مقالہ ختم ہونے پر پروفیسر راجہ ممتاز صاحب نے کھڑے ہو کر گلے لگایا۔ مبارکباد کے ساتھ مزید کامیابیوں کی دُعا دی۔ کانفرنس کے اختتام پر جب یہی مقالہ پروفیسر شفیع میموریل گولڈ میڈل کا حقدار ٹھہرا تو جس طرح راجہ ممتاز صاحب نے میری حوصلہ افزائی فرمائی، وہ منظر یاد کر کے آج بھی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔

اِسی طرح 1998ء میں لاہور آفتھالمو کے دوران مصنوعی عدسات کے موضوع پر مقالہ (Secondary intra ocular lense implantation) پڑھنے کا موقع ملا۔ مرحوم راجہ صاحب کے نام نامی کے ساتھ وابستہ اعزاز ''پروفیسر راجہ ممتاز ایوارڈ 1998ء'' احقر کے حصے میں آیا اور جناب راجہ صاحب مرحوم نے ایک ہزار روپیہ نقد انعام اپنے دستِ شفقت سے عطا فرمایا۔

مرحوم راجہ ممتاز صاحب نہ صرف انجمن ماہرین امراضِ چشم پاکستان کے بانیوں میں سے ایک تھے بلکہ تا دمِ آخر اس کے میرِ کارواں اور روحِ رواں رہے۔ بسترِ مرگ سے پہلے، آخری مرتبہ اُن کی زیارت اسی پلیٹ فارم سے لاہور آفتھالمو میں میسر آئی۔

میرِ کارواں کے نام سے لکھی ہوئی نظم قارئین کے لئے حاضر ہے۔

مِیرِ کارواں

پروفیسر راجہ ممتاز علی قلی خاں مرحوم

ماہرانِ چشم کی مجلس کا مِیرِ کارواں
الوداع استادِ ما اے سیدِ چارہ گراں

کتنے دیدوں کو تیرے ہاتھوں سے بینائی ملی
نورِ ربّانی سے ہو قبر تیری ضوفشاں

اپنی ثقافت کا امیں، عظمتوں کا پاسدار
اپنی دھرتی اور زباں سے عشق تھا سب پہ عیاں

تجھ کو ملے رب کی رضا خُلدِ بریں میں آشیاں
ممتاز سے ممتاز تر ممتاز ہو تیرا مکاں

ہم جلاتے جائیں گے یونہی چراغوں سے چراغ
روشن سے روشن تر کریں گے انجمن کی کہکشاں

دیدوں میں بینائی رہے اور دیے روشن رہیں
مظہر ضیاء کے سفر کا یہ سلسلہ ہے جاوداں

والدِ گرامی ماسٹر میاں علی محمد مرحوم

اباجان مرحوم 1938ء کے آس پاس تحصیل شکر گڑھ کے ایک گاؤں دودھو چک میں پیدا ہوئے۔ سات بیٹیوں کے بعد بیٹے کا جنم، دادا جان کیلئے نئی زندگی کی نوید ثابت ہوا۔ بڑھاپے کی اکلوتی نرینہ اولاد، ہندو اکثریت والا گاؤں، پسماندہ ماحول اور دگرگوں معاشی حالات مل کر بھی مرحوم و مغفور دادا جان کو ایک عظیم اور دور رس فیصلے سے نہ روک سکے۔ اُنہوں نے اپنے بڑھاپے کے سہارے کو تمام جھنجھٹوں سے آزاد کر کے صرف تعلیم کے لیے وقف کر دیا۔ نتیجتاً مرے کالج سیالکوٹ سے گریجویشن کرنے والے گاؤں کے دوسرے فرد میرے والد صاحب تھے۔ والد گرامی نے اپنی تمام عمر اور سرمایہ تعلیمی جہاد کے لیے وقف کئے رکھا۔ یوں اپنی حیات میں ہی گاؤں میں دینی و دنیاوی تعلیم کا اِنقلاب برپا کرنے میں کامیاب رہے۔ ہم سب بہن بھائیوں کی لاہور کے اعلیٰ ترین اداروں میں تعلیم و تربیت کو ایک مشن کے طور پر پایہء تکمیل تک پہنچایا۔ دادا جان باغبانی کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اُن کے لگائے ہوئے درختوں اور پودوں میں سے آج کوئی بھی روئے زمین پر نہیں ہے۔ مگر میاں علی محمد جیسے شجر سایہ دار کی آبیاری کے نتیجہ میں وجود میں آنے والے بے شمار تناور درخت گاؤں کے لئے باعثِ رحمت اور

تفاخر ہیں۔

والد گرامی جون 2011ء کو پھیپھڑوں کے کینسر میں مبتلا ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ یہ نظم ان کی وفات کے بعد لکھی گئی جو نذرِ قارئین ہے۔

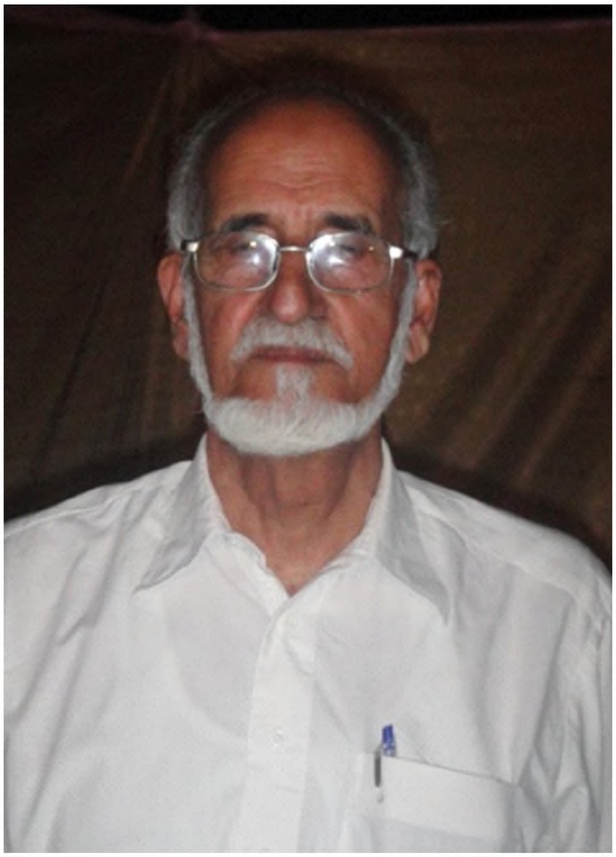

التجائے مظہریؔ

دعائے مغفرت برائے والدِ محترم میاں علی محمّد مرحوم و مغفور

رحم کر دے رحم کر دے مالکِ ارض و سما
اپنے بابا کیلئے کرتا ہوں تجھ سے اِلتجا

کم سِنی میں جیسے ہم پہ تھے شفیق و مہرباں
مہر و شفقت اب عطا کر ان کو اس سے بھی سوا

ماں سے بڑھ کر اپنے بندوں پر کریمی ہے تری
آغوشِ رحمت کر دے یارب اپنے اِس بندے پہ وا

ہو زیارت مصطفیٰؐ کی، بارشِ انوار ہو
لحد ہو باغِ اِرم اور آئے جنت سے ہوا

امرِ ربیِّ پر ’’علیؑ‘‘ لبّیک کہہ کر چل دیا
ہو مَرحمت ’’فاطمہؒ‘‘ کو دولتِ صبرو رضا

واسع تیرا فضل ہے اور عام ہے بخشش تیری
رفتگاں کو بخش دے پسماندگاں کو حوصلہ

مغفرت ہی مغفرت ہو درگزر ہی درگزر
صفتِ رحمت حاوی رہتی ہے غضب پر جب سدا

اپنے آباء کے لئے بن جائیں صدقہ جاریہ
حکمِ ربّی پر چلیں لے کر طریقِ مصطفیٰؐ

مانگنے کا کچھ سلیقہ مظہرؔی کو ہے نہیں
محض لطفِ خاص سے مقبول کر لے یہ دعا

’’علی‘‘ ﴿والدِ محترم کے نام کا پہلا حصّہ﴾
’’فاطمہ‘‘ ﴿والدہ محترمہ کے نام کا آخری حصّہ﴾

محسن واستادمن

پروفیسر سید واصف محی الدین قادریؒ (مرحوم)

1987ء میں علامہ اقبال میڈیکل کالج، لاہور میں ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (M.B.B.S) کے تیسرے سال کے طالب علم کو ایک اُستاد ملے، جو ماہرِ امراض چشم کے طور پر ہفتہ میں ایک بار لیکچر کے لئے تشریف لاتے تھے۔ پُرنور شخصیت، سُرخ وسفید چہرہ، نرم گفتار پروفیسر سید واصف محی الدین قادریؒ کے لیکچر میں شرارتی لڑکے بھی کسی ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر احتراماً پوری خاموشی اور توجہ سے لیکچر سنا کرتے تھے۔

اُستاد اور شاگرد کا یہ تعلق جولائی 1991ء میں ایک ابدی تعلق میں تبدیل ہونا شروع ہوا جب راقم کو سروسز ہسپتال، لاہور میں پروفیسر واصف صاحب کی سرپرستی میں امراضِ چشم کی تربیت کے لیے منتخب کرلیا گیا۔

لیٹن رحمت اللہ ہسپتال میں محترم ڈاکٹر طارق سعید صاحب کی معیت میں گزارے ہوئے اڑھائی سال (94-1992ء) کے علاوہ شعبہء چشم کی تمام تر تعلیم وتربیت واصف صاحب مرحوم کی سرپرستی میں تکمیل کو پہنچی۔ حتیٰ کہ 1999ء میں آپؒ کی ریٹائرمنٹ کے بعد بھی یہ سرپرستی خاکسار کو 2014ء میں اُن کی رحلت تک حاصل رہی۔

؎ بزمِ واصف قادری میں جو بھی دیوانے رہے
تا عمر وہ ایک ہی شمع کے پروانے رہے

پروفیسر واصف محی الدین قادریؒ نے کمالِ شفقت اور مہربانی سے رضی پولی کلینک شادمان مارکیٹ، لاہور میں واقع اپنا پرائیویٹ کلینک 2003ء میں میرے حوالے کر دیا۔ یوں معاصر ماہرینِ چشم اور دوستوں نے مجھے خلیفہء واصف کے خطاب سے نوازا جو میرے لئے باعث اعزاز وشرف ہے۔

؎ اِک گدائے بے نوا، مظہرؔی کے نام کا
اُن میں سے وہ بھی ایک ہے جو تیرے پروانے رہے

شعبہء امراضِ چشم کے علاوہ بھی پیشہ وارانہ اور ذاتی زندگی کے تمام تر معاملات میں، پروفیسر صاحب کی مشاورت اور رہنمائی ہمیشہ حاصل رہی۔ آپؒ کی رحلت کے بعد یہ خلاء شاید ہی پُر ہو سکے۔

''بزمِ واصف'' اور ''بادِ خوش خرام'' نامی نظمیں ان کی حیات میں ہی لکھیں اور انہیں سنانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ''سائباں'' کے نام سے ایک نظم ان کی وفات پہ تحریر کی۔

؎ بے نواؤں کے سروں کا سائباں رُخصت ہوا
واصف محی الدین جیسا مہرباں رُخصت ہوا

نظم ''محسن یاد آتے ہیں'' آپؒ کی پہلی برسی کے موقع پر مرتب ہوئی۔ یہ تمام نظمیں ایک ادنیٰ شاگرد کی جانب سے اپنے مربی، محسن اور عظیم اُستاد کی نذر

ہیں اور اس مجموعہء کلام ''چشمِ بینا'' کی زینت ہیں۔

؎ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پروفیسر واصف محی الدین قادریؒ اپنے آفس میں تشریف فرما ہیں

بادِ خوش خرام

(پروفیسر واصف محی الدین قادری)

اے دلپذیر خوشبو
اے بادِ خوش خرام
اے واصف و مصطفیٰؐ
اے مردِ خوش کلام
کسی اجنبی جہاں میں
نادیدہ سرزمیں پہ
خُدائے عزوجل نے
تجھ کو وجود بخشا
خوشا نصیب اپنا
یہ ہوائے نرم رو پھر
آئی ہماری جانب
مالک ازل کو

نرگس کا رونا بھایا
تجھے دیدہ ور بنایا
اے اسم با مسمّٰی
اے واصف و مصفّٰی
میں بھی ہوں ایک اُن میں
کہ نازاں ہوں اِس امر پہ
کہ میرے جسم و جاں بھی
ہیں معطر و منور
خوشبو سے
روشنی سے
تیری شفقت و محبت
جو رہی ہے عام سب پہ
کہ ہر ایک نے خود ہی کو
سب سے ہے خاص جانا
سب سے قریب جانا

بزمِ واصف☆

بزمِ واصف قادری میں، جو بھی دیوانے رہے
تا عمر وہ ایک ہی شمع کے پروانے رہے

خَلقِ خدا کی خیر کو روز جاتا تھا فقیر
جو ساتھ دیوانے رہے وہ ہی فرزانے رہے

کیسے پیتے تیرے جیسا کوئی ساقی نہ ملا
کہنے کو مے خانے رہے پینے کو پیمانے رہے

مے کدوں کو دیکھ کر سوچتے رہتے ہیں ہم
مے کش رہے، ساقی رہے، نہ ویسے مے خانے رہے

اک گدائے بے نوا، مظہریؔ کے نام کا
اُن میں سے وہ بھی ایک ہے جو تیرے پروانے رہے

☆ پروفیسر واصف محیؔ الدین قادری۔

سائبانِ واصف

(بروصالِ سیّد واصف محیّ الدین قادری)

بے نواؤں کے سروں کا سائباں رُخصت ہوا
چارہ گر رخصت ہوا، مہرباں رُخصت ہوا

گوہرِ نایاب سے محروم دھرتی ہو گئی
واصفِ کم یاب سے محروم دھرتی ہو گئی

راحتِ دیدار اب چشمِ تر نہ پائے گی
واصف محیّ الدین جیسا دیدہ ور نہ پائے گی

خانوادہءِ رسولِ پاکؐ کا روشن ضمیر
سیدِ بغداد کی اقدارِ اعلیٰ کا سفیر

اربع دسمبر جُمعہ کی شب بیس سو چودہ کا سال
سیدِ واصف محیّ الدین کا یومِ وصال

پیکرِ صدق و وفا خالق سے اپنے جا ملا
مخزنِ مہروعطا خالق سے اپنے جا ملا

تیرے بندوں پہ یہ بندہ حد سے زیادہ تھا شفیق
آخرت کے سفر میں اب تو ہی ہے اس کا رفیق

واصفِ شیریں سخن پہ ہوں کرم کی بارشیں
رہبر و استادِ من پہ ہوں کرم کی بارشیں

مرقدِ واصف پہ ہو تیری رحمت کا نزول
مصطفیٰؐ کے راستے پہ مظہریؔ بھی ہو قبول

مُحسن یاد آتے ہیں

مجھے اپنے مربّی اور محسن یاد آتے ہیں
اُستادِ من پروفیسر واصف یاد آتے ہیں

کسی کے سر پہ جب اس کا، بزرگِ محترم کوئی
محبت اور شفقت سے، اپنا ہاتھ رکھتا ہے

مجھے اپنے مربّی اور محسن یاد آتے ہیں
اُستادِ من پروفیسر واصف یاد آتے ہیں

کسی کا جب بڑا کوئی، اخلاص و تفکر سے
کسی اُلجھن کو حل کر دے، عطا کوئی مشورہ کر دے

مجھے اپنے مربّی اور محسن یاد آتے ہیں
اُستادِ من پروفیسر واصف یاد آتے ہیں

کوئی مقبول بندہ جب کمالِ مہربانی سے
کسی محروم و بے کس کو، دُعاؤں سے نوازے تو

مجھے اپنے مربّی اور محسن یاد آتے ہیں
اُستادِ من پروفیسر واصف یاد آتے ہیں

بیادِ پروفیسر علی حیدر مرحوم

ظالم نے کیا ایک مسیحا کو قتل ہے
گوہرِ نایاب کیا وقفِ اجل ہے

اِک ایسا مسیحا جو اثاثہ تھا وطن کا
خوش رنگ سا اک پھول جو دولہا تھا چمن کا

جو علم و ہنر میں ہوں یکتا و ممتاز
اُن پہ فخر قوم کرے اور جہاں ناز

طرزِ مسیحائی میں، دانائی میں آگے
چارہ گری اور شکیبائی میں آگے

خلقِ خدا برسوں اسے یاد کرے گی
لاچاری و معذوری کی فریاد کرے گی

سرابِ نو

(14 اگست 2014ء کو لکھی گئی، 20 اگست 2014ء کو
روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوئی)

پہلے کھولو نا ذرا، اپنے ماضی کی کتاب
ہر کسی سے مانگنا پھر، گذرے سالوں کا حساب

کچھ بھی تبدیلی نہیں، دِکھتی تمھارے آس پاس
نوکِ زباں ہر وقت ہے، انقلاب انقلاب

دفن کرنے پھر چلے، رائے عوام الناس کی
پہنے ہوئے یہ راہزن، چہروں پہ جمہوری نقاب

آنکھ کو جب دیکھنا تھی سبز پرچم کی بہار
ناچتی دن بھر رہی، راہوں پہ وحشت بے حجاب

قوم نہ بخشے گی تم کو، آج آزادی کے دن
کیوں کیا برپا بھلا، اِنتشارِ بے حساب

ہم کو آزادی ملے، ہو چکے سڑسٹھ برس
بازی گر لے آئے پھر، آزادیءِ نو کا سراب

ساکنانِ دیس نِکلو، دائروں کے سفر سے
نام یہ آزادیوں کے آمریّت کا عذاب

لازم ہے اے ارضِ وطن، تزئین و آرائش تیری
کرتا ہوں تیری نذر آج، اشک ہائے خون و آب

اب نہ دھوکہ مظہرؔی، کھائے گی خلقِ خدا
قائد و اقبال کی روحوں کو دینا ہے جواب

محمد ھیثم ضیاء

(2002-2015ء)

دبئ میں مقیم منجھلے بھائی ضیاء المظفری کا بڑا صاحبزادہ اپنی خالہ کی شادی میں شرکت کے لیے دسمبر 2014ء میں دو ہفتے کے لیے پاکستان آیا ہوا تھا۔ اسی دوران ایک حادثہ کے نتیجہ میں چار دن موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد انتقال کر گیا۔ 28 دسمبر 2015ء کو 13 سال کی عمر میں ھیثم بیٹے کی مرگِ جواں ہم سب کے لیے ایک جانکاہ واقعہ ہے۔ تین نظمیں ''لختِ جگر'' اور ''ماں کی فغاں'' اور ''جانِ پدر'' بھتیجے ھیثم کی یاد میں تحریر کیں۔

لختِ جگر

(بھتیجے محمد ھیثم ضیاء کی وفات پہ لکھی گئی)

آغوش میں لے کر اسے خاکِ قبر مسرور ہے
قلبِ مادر و پدر رنج سے معمور ہے

ہیثم، گُلِ نو خیز، نو عمری میں ہی چلتا بنا
اشک آنکھوں سے رواں ہیں اور دِل رنجور ہے

کام رب کا کوئی بھی، خالی از حکمت نہیں
ہم تو راضی بہ رضا ہیں، جو اُسے منظور ہے

صبر کر، اے اُمِّ ہیثم، حوصلہ اِبنِ علی
رب کا بندہ، اس کے آگے، عاجز و مجبور ہے

اِبتلا آئے تو بندہ اپنے اللہ سے کہے
تیرا ہوں اور تیری جانب لوٹنا مقدور ہے

اِستعانت مانگتا ہے جو دُعا اور صبر سے
اللہ اس کے ساتھ ہے جو صابر و مشکور ہے

اِنتقالِ پسر پہ سورۂ کوثر کا نزول
رب کی نبیؐ کو یہ تسلی ارفع و پُرنور ہے

میرے اللہ دے مجھے میری مصیبت کا صلہ
اس سے بہتر ہو عطا جو میرے سے اب دور ہے

یارحیم و یاکریم تو ہی ہے میرا رفیق
لختِ جگر نورِ نظر مرحوم ہے مغفور ہے

ہیثمِ معصوم اب رحمان کا مہمان ہے
اور اس کی میزبانی میں بہت مسرور ہے

حادثاتی موت پہ رتبہ شہادت کا ملے
کتب ہائے دین میں یہ مظہریؔ مذکور ہے

ماں کی فغاں

(بھتیجے محمد ھیثم ضیاء کی وفات پہ لکھی گئی)

میرے چندا میرے لعل کیسے جی پاؤں گی میں
زخم جدائی کو تیرے کیسے سی پاؤں گی میں

دل کے ٹکڑے تُو میرے دل کی ہر دھڑکن میں ہے
تیری صورت تیرا چہرا مامتا کے من میں ہے

تیرے بابا اور بڑوں نے مل کے نہلایا تُجھے
مُشک اور کافور چھڑکا، کفن پہنایا تُجھے
آخرت کے سفر پہ، نہ لوٹنے کو چل دیا
نہ ملا، نہ پوچھا ماں سے، نہ خُدا حافظ کہا

پنکھڑی سے ہونٹ چھولوں، چوم لوں ماتھا تیرا
جلدی جانے کی بہت ہے، سفر ہے لمبا تیرا
کیسے گزریں گے ہمارے روزوشب تیرے بغیر
زندگی وہ زندگی نہ ہو گی اب تیرے بغیر

دن مہینے سال تو یونہی گزرتے جائیں گے
ہجر کے صدمے مگر لگتا ہے بڑھتے جائیں گے
مرگِ اولادِ جواں کا گھاؤ نہ بھر پائے گا
وقت کا مرہم بھی اس پہ بے اثر رہ جائے گا

مظہریؔ لکھتا ہوں میں، قلبِ مادر کی فغاں
نو دمیدہ گل ہیں جانے، کتنے مٹی میں نہاں

جانِ پدر☆

روزِ عید ہے جانِ پدر، اُداس ہوں میں
تیرے بغیر اے میرے پسر، اُداس ہوں میں

جانتا ہوں کہ برزخ میں، خوب شاد ہے تو
گراں بہت ہے مگر تیرا ہجر، اُداس ہوں میں

گزرتے جاتے ہیں آخر، گزر ہی جائیں گے
حیاتِ فانی کے شام و سحر، اُداس ہوں میں

بہت اکیلا ہوں، تنہا ہوں، نامکمل ہوں
جگر سے کٹ گیا لختِ جگر، اُداس ہوں میں

تو چھپ گیا ہے قضا کے دبیز پردوں میں
نظر نظر میں مگر آئے نظر، اُداس ہوں میں

وہی سحری، وہی افطار اور تراویح ہے
شبِ قمر نہ دِکھے میرا قمر، اُداس ہوں میں

☆ بروز عیدالفطر 2016ء لکھی گئی۔

* * *

قسمت کا لِکھا سہنے دو
مجھے اپنے حال میں رہنے دو

رونے سے غم ہلکا ہو گا
اشک آنکھوں سے بہنے دو

مُدّت بعد مِلا تو بولا
گزری باتیں رہنے دو

من آنگن کو دھلنے دو
نین کٹورے بہنے دو

مظہرؔ مان لو میری بات
من کی من میں رہنے دو

◆

دیوانہ گر شہر میں بسا ہوتا
روز اک حادثہ نیا ہوتا
بات آنکھوں سے بڑھ گئی ہوتی
عکس دل میں اُتر گیا ہوتا

بات آگے چلی نہیں ورنہ
روگ دل کو نیا لگا ہوتا
جانتا تو بھی لذتِ ہجراں
عشق جو تو نے بھی کیا ہوتا

شمسؔ نہ گر مظہرِ ضیاء ہوتا
قمر بے نُور بے ضیاء ہوتا

◆

میں بھی کسی کا کوئی میرا منتظر رہا
دونوں کا انتظار مگر بے ثمر رہا

آنکھوں کا ہر تقاضا پیشِ نظر رہا
اور اس کا دل پہ گہرا اثر رہا

منزلوں اور راستوں سے ہم شناسا تھے بہت
سفرِ جدید سفر کا حاصل مگر رہا

عکس، عدسے، آئینے، واسطے اور روشنی
دید و بصر کا عنواں زیرِ نظر رہا

جلوہءِ بے محابا، نظارا بے طلب سا
ساری حیات ہم پہ اس کا اثر رہا

اب کیا نذر کروں کہ ٹپکا دیے سبھی
آنکھوں میں کوئی بھی اب نہ باقی گہر رہا

مَظہرؔی خزاؤں سے کچھ بھی گلا نہیں
بے برگ اس بہار میں کیونکر شجر رہا

تمھارے من کو جو بھائے اسی بحر میں کہوں
نظم ہو یا غزل ہو یا پھر نثر میں کہوں

کیف بن کے لہو میں بسے ہوئے تم ہو
شعر ہو یا سُخن ہو اسی اثر میں کہوں

نظر ملے بھی تو مرضی ہے تیری کیا سمجھے
میں حالِ دل کی حکایت نظر نظر میں کہوں

عطا کرے نہ کرے مرضی ہے میرے مالک کی
فریاد نیم شب میں کروں نالہءِ سحر میں کہوں

لوگ سادہ ہیں سمجھتے ہیں شاد ہے مظہرؔ
وصل کی بات میں جاناں ترے ہجر میں کہوں

⁂

مجھے کچھ ہو گیا تم سے جو سچ پوچھو تو کہتا ہوں
میرے من میں کچھ ایسا ہے جو بولو تم تو کہتا ہوں

بہت سی باتیں ایسی ہیں، لبوں پہ ٹوٹ جاتی ہیں
کہنے کو تو کہہ ڈالوں مگر کہنے سے ڈرتا ہوں

یقیناً تم نہیں میرے پرائے بھی نہیں لگتے
کچھ عرصے سے روز و شب اسی اُلجھن میں رہتا ہوں

مہینوں اور سالوں میں وہ لمحاتی مُلاقاتیں
مگر اپنے خیالوں میں ہمیشہ ساتھ رہتا ہوں

کبھی رمقِ شناسائی بھی آنکھوں میں نہیں ملتی
کبھی تو ایسے لگتا ہے تمھارے دل میں رہتا ہوں

لغزشیں بھی توبہ بھی بار بار کرتا ہوں
گرتا ہوں ڈگمگاتا ہوں اور پھر سنبھلتا ہوں

* * *

ڈوبے ہو کس کے خوابوں میں
لپٹے ہو میری بانہوں میں

تم نہ جانو تمھارے پہلو میں
رات ساری کٹی ہے آنکھوں میں

منزل سجی ہے پھولوں سے
کانٹے بچھے ہیں راہوں میں

آنکھوں میں آنکھیں ڈالو تو
باتیں ہوں کچھ نگاہوں میں

صاف بولو نا مظہریؔ صاحب
کہتے ہو کیا کنایوں میں

❧

یوں تو ستم کوئی بھی ہمدم نہیں کرتا
کچھ دن سے میرے ساتھ تکلُّم نہیں کرتا

کہہ دے مجھے جو بھی تیرے مُنہ میں آئے
تیرا تکلُّم مجھے برہم نہیں کرتا

اچھا ہی کیا تو نے بھی کر ڈالا فراموش
میں بھی کئی دن سے تیرا غم نہیں کرتا

راندۂ درگاۂ ہے حقیقت میں وہی تو
جس کو گناہ کوئی بھی نادم نہیں کرتا

ظالم وہ رعایا بھی راعی بھی وہ ظالم
جو بھی حدود اللہ کو قائم نہیں کرتا

◆

بوند بوند جیسے دوا حلق میں اُتاری ہے
تم نے بھی اے مظہرؔ کیا زندگی گزاری ہے

کھونے اور پانے کا خوف ہے یا اِشتیاق
میرے دل پہ ہر لحظہ لرزہ سا ایک طاری ہے

تصویر کش نہ آئینے میں ایسا عکس پاؤ گے
تصویر تیری آنکھ سے دل میں جو اُتاری ہے

میری ذات نارسا ٹھہری جہانِ کارزار
معرکہء خیر و شر جس میں ازل سے جاری ہے

لگتا ہے غم کی کثرت ہے اور دیرپا اثر بھی ہے
جس کا بھی حال پوچھو وہ درد کی پٹاری ہے

ہم نے تو غزل کہہ دی ہے ہم نے کِتاب لِکھ دی ہے
پنکھڑی سے لب کھولو اب تُمھاری باری ہے

رِشتہ ہے نہ تعلق ہے رسمی سی بس شناسائی
انتظار کیسا ہے مظہرؔ کیسی بے قراری ہے

* * *

⁂

محفل میں بھی تنہا ہی بیٹھا رہا میں
سوچوں کے تلاطم میں بولا نہ سنا میں

خود ہی تو کہتے تھے مجھے خود کو بدل لو
بدلا ہوں تو کہتے ہو کہ اب وہ نہ رہا میں

مائل بہ ستم ان کو بزم میں دیکھا
چپکے سے چلا آیا ٹھہرا نہ رکا میں

نہ تکلم نہ تکلف نہ تعلق نہ تعارف
اور گلہ مجھ سے مخاطب نہ ہوا میں

قاتل کو نہ معلوم کیوں قتل کیا ہے
مقتول بھی پوچھے ہے کیوں قتل ہوا میں

تیرا کرم تیری عطا ہے میرے مالک
ناچیز سا بندہ ہوں مظہر نہ ضیاء میں

◆

خواب ہو جاؤں گا آنکھوں میں بسا لو مجھ کو
آنکھ سے دور ہوں اب دل سے نکالو مجھ کو

میرا غم پہلے ہی شرمندۂِ غمخوار نہیں دوست
اپنی نظروں سے چلو تم بھی گرا دو مجھ کو

میری سانسوں میں سمو دو کبھی سانسیں اپنی
اپنی بانہوں میں کسی روز سنبھالو مجھ کو

دل کی باتیں ذرا دل ہی سے سمجھ لو جاناں
اِظہار کی مشکِل میں نہ ڈالو مجھ کو

ویرانی و تنہائی کا اپنا ہی مزا ہے
یادوں کے بھنور سے نہ نکالو مجھ کو

* * *

مجھ کو تیرا شباب لے بیٹھا
رنگ تیرا گلاب لے بیٹھا

کِتنی پی لی ہے کِتنی باقی ہے
مجھ کو یہ ہی حِساب لے بیٹھا

مجھ کو جب بھی تمھاری یاد آئی
سب کو چھوڑا شراب لے بیٹھا

میں نہ آتا تمھاری باتوں میں
آپ، سرجی، جناب لے بیٹھا

ساری دنیا کو چھوڑ کر مظہرؔ
اپنا پیارا پنجاب لے بیٹھا

---

* ماخوذ

یومِ دفاع

سینے پہ لئے تیر جو آئے تیری جانب
ہر سنگ کو سر پیش جو آئے تیری جانب

زندہ و بیدار ہیں جب تک تیرے جانباز
کوئی میلی نظر کیسے اٹھائے تیری جانب

سر اُس کا سلامت نہ رہے شانوں پہ اُس کے
ناپاک قدم جو بھی بڑھائے تیری جانب

شاد و آباد رہے ارضِ وطن تُو
صَر صَر کا کوئی جھونکا نہ آئے تیری جانب

مظہرؔ کی دعا رب سے ہمیشہ یہ رہے گی
گردوں نہ مصیبت کوئی لائے تیری جانب

* * *

اُس کا کہنا ہے نہ دل سے اس نے اپنایا مجھے
پھر بتائے تو سہی کیوں بھول نہ پایا مجھے

سانحہ ترکِ تعلّق کا ہوا سو ہو گیا
میں نے چھوڑا تھا اسے یا اس نے ٹھکرایا مجھے

ایسے لگتا ہے مقدّر میں ہی ملنا تھا، ملے
میں نے ڈھونڈا تھا اسے نہ اس نے ہی پایا مجھے

کامرانی کے جشن میں میرے سنگ ہوگا وہی
بھنور میں ناکامیوں کے جس نے اپنایا مجھے

وقتِ رخصت مظہریؔ آنسو چھلکتے دیکھ کر
دل بھی دکھا اور پیار بھی اس پہ بہت آیا مجھے

* * *

جانچتے ہیں پرکھتے ہیں، کھوجتے جاتے ہیں ہم
آنکھ کو ہر زاویے سے سوچتے جاتے ہیں ہم

اپنی صورت اپنا چہرہ بھولتے جاتے ہیں ہم
رشتے ناطے آئینوں سے توڑتے جاتے ہیں ہم

بہتر ہے شیشے کو کبھی پتھر سے وہ ٹکرائے نہ
آئینے کو دیکھ کر سوچتے جاتے ہیں ہم

آنکھ کا بینائی سے، منظر کا اپنے عکس سے
رشتہ نازک سا ہے لیکن جوڑتے جاتے ہیں ہم

موتیا بند آنکھ سے ہم چُرا لیتے ہیں یوں
عدسہ ہائے چشم کو جوڑتے جاتے ہیں ہم

ایک عکسِ منتشر کو دیکھنا ہے مرتکز
ریزہ ہائے آئینہ جوڑتے جاتے ہیں ہم

شیشہ گر ٹھہرے ہیں ہم، گر ہیں شیشوں کی ضیآء
سانس روکے، دل کو تھامے، کھولتے جاتے ہیں ہم

◆

کنگلے نے سبھی اپنی پونجی ہے لٹائی
مشکل سے یہ کہہ کر بیگم ہے منائی

آؤ صلح کر لیں بچوں کی خاطر
عید گزر جائے تو کر لیں گے لڑائی

باپ کا بیٹے سے رشتہ بھی عجب ہے
چھوٹا ہو تو بچہ ہے جواں ہو تو بڑا بھائی

بڑھاپے میں اولاد نے ماں باپ سے پوچھا
کیا تم نے کیا اور کہاں عمر گنوائی

شعلہ ہے یا شبنم ہے ریشم ہے یا فولاد
بیگم کی سمجھ یارو مظہرؔ کو نہ آئی

سالمندی

(Ageing)

بصارت پہ، سماعت پہ، چہرے پہ، جسم پہ
ماہ و سال جو بیتے نِشان چھوڑ گئے

سراب

(Mirage)

آب پہ ریت سمندر میں، صحرا میں آب دکھائے ہے
بجھتے بجھتے بھی دیکھو یہ آنکھ سراب دکھائے ہے

دل کے جذبے غزل میں جس نے سموئے ہی نہیں
وہ کیا جانے جس نے یہ موتی پروئے ہی نہیں

نیند تو آئی تھی لیکن خواب ایسے تھے کہ بس
جاگنے پہ یوں لگا کہ جیسے سوئے ہی نہیں

کچھ تو آنکھوں نے کہا اور بات کچھ کاجل نے کی
وہ یہی کہتے رہے کہ وہ تو روئے ہی نہیں

ابرِ باراں، دھوپ بھی مٹی بھی ہو زرخیز سی
فصل کیا کاٹے گا جس نے بیج بوئے ہی نہیں

جب جدائی ہو گئی، ہجراں کے مظہر غم ملے
پا لیا تو یوں لگا کہ جیسے کھوئے ہی نہیں

* * *

طبیعت آجکل کچھ مضطرب سی ہے
خلش اک بے محل سی بے سبب سی ہے

نہیں معلوم یہ عشق و محبت ہے
یا پھر کوئی حاجت یا طلب سی ہے

کروں نذرِ سماعت کس طرح اس کو
تمنا اک لبوں پہ جاں بہ لب سی ہے

کسی کو سوچنا تیرے سوا جانم
نئی سی بات ہے، کتنی عجب سی ہے

ذکر جس بات کا مظہرؔ غزل میں ہے
بڑی گستاخ سی اور بے ادب سی ہے

◆

مانا گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں
دائرۂ اسلام سے باہر نہیں ہوں میں

دیکھو مجھے نہ ایسی نگاہوں سے اے رفیق
میں ہوں ستم رسیدہ، ستم گر نہیں ہوں میں

شعر و سخن سے میرا رشتہ تو ہے ضرور
لکھتا تو ہوں غزل، شاعر نہیں ہوں میں

ڈرتا ہوں میرے مالک یومِ حساب سے
عاصی تیرے کرم سے بڑھ کر نہیں ہوں میں

کمزور ہوں عمل میں طالب دعا کا ہوں
بندوں سے رب کے غافل مظہرؔ نہیں ہوں میں

* * *

سرخی خبر نہ سہی حوالہء خبر میں تو ہوں
مرکزِ نظر نہ سہی احاطہءِ نظر میں تو ہوں

دل میں اُتروں گا ابھی پردہءِ بصر میں تو ہوں
اسی میں خوش ہوں میں جاناں تیری نظر میں تو ہوں

مِلا جو اِسم کبھی کوئی تو پڑھ کے پھونکوں گا
ابھی تو اتنا بہت ہے تیرے سحر میں تو ہوں

میں نے پی تو نہیں ہے، مگر یہ سچ ہے رفیق
نشہ تو کوئی ہے غالب، کسی اثر میں تو ہوں

دھوپ میں تیزی ہے لیکن مظہرؔ غنیمت ہے
ملے گی چھت بھی کبھی، سایہءِ شجر میں تو ہوں

⁂

جتنا بھلائیں گے اُسے وہ یاد آئے گا ہمیں
اس سے پوچھو وہ بھلا کیسے بھلائے گا ہمیں

ہم بڑے خوش تھے کہ مظہرؔ خیر سے گزرا شباب
عمرِ وسطیٰ کا یہ روگ، مار جائے گا ہمیں

ہم گزرتے وقت کی طرح گزر ہی جائیں گے
ڈھونڈنا چاہے گا لیکن پھر نہ پائے گا ہمیں

عکس اس کا آنکھ کے پردے پہ جیسے ثبت ہے
کیسے کہہ دیں کہ نہیں وہ یاد آئے گا ہمیں

کب تلک یہ فاصلے رکھے گا حائل درمیاں
دل کی باتیں مظہرؔی کب تک بتائے گا ہمیں

◆

کنویں کی طرف یوں تو پیاسا ہی چلا ہے
بادل کی طرح تم جو برس جاؤ تو کیا ہے

بھیجا ہے نہ پہنچا ہے نہ اس نے پڑھا ہے
سندیسہ کوئی میری نگاہوں میں چھپا ہے

دھڑکن میں کئی دن سے تلاطم سا بپا ہے
لگتا ہے قرائن سے مجھے عشق ہوا ہے

حسن کا جادو ہے یا لہجے کا ترنّم
چھایا ہے بصارت پہ سماعت میں گھلا ہے

مجموعہِ اشعار میرے دل کی صدا ہے
تاباں و درخشاں ہے یہ مظہر کی ضیاء ہے

عشقِ ممنوعہ

میں مظہر ہوں میرے اپنے ستارے ہیں قمر بھی ہے
مگر یہ بھی تو دیکھو نا، کہ دل بھی ہے نظر بھی ہے

میرا اپنا محور ہے، تمھارا ہے مدار اپنا
گردش پہ مقدر کی، نہیں ہے اختیار اپنا

نہ تم نے حوصلہ بخشا، نہ میں نے ہی جسارت کی
نہ کچھ بولے کنایوں میں، نہ نظروں سے شرارت کی

نہ میں نے پیش قدمی کی، نہ تم نے کی پذیرائی
نہ نکلی آہ سینے سے، نہ پلکوں پہ نمی آئی

مگر پھر بھی کبھی نا گاہ، ہوا جو سامنا تیرا
نظروں کو گرا لینا، وہ آنچل تھامنا تیرا

دھڑکن میں تلاطم سا، نظر میں تھرتھراہٹ سی
کہیں پوشیدہ خودسر، سرسراتی کوئی چاہت سی

وہی احوال کی پرسش، وہی القاب رسمی سے
وہی رسمی تکلم سا، وہی آداب رسمی سے

دل نے بات کی دل سے، نہ آنکھوں ہی نے آنکھوں سے
نہ کچھ سمجھا نہ سمجھایا، نہ نکلی بات باتوں سے

دریا کی روانی میں، نہ ندیا کے چلن میں ہے
لہروں کی فراوانی جو تیرے پیرہن میں ہے

تیری تصویر آویزاں دل کی انجمن میں ہے
ادا کیسے زباں سے ہو نہاں جو میرے من میں ہے

گل میں نہ گلستاں میں جو خوبی گلبدن میں ہے
کہاں سرو و سمن میں وہ جو تیرے بانکپن میں ہے

اثر انگیزی سیرت میں، بلا خیزی حسن میں ہے
خوش رنگ و معطّر گل، کوئی جیسے چمن میں ہے

کیسی ہے یہ گستاخی، بھلا کیسی یہ جرأت ہے
بہت سی معذرت لیکن حقیقت تو حقیقت ہے

کہانی ہے یہ یکطرفہ و بے مایہ سی چاہت کی
کہاں کس نے کسی سے کب، بھلا کیسی محبّت کی

میرے اپنے مسائل ہیں، میری مجبوریاں اپنی
تمھاری قربتیں اپنی، تمھاری دوریاں اپنی

نہ ہوتا شجرِ ممنوعہ جو جنّت میں تو اچھّا تھا
نہ ہوتا سامنا تیرا محبّت میں تو اچھّا تھا

بہتر ہے ابھی صدمہ دلِ ناکام کو پہنچے
بنا آغاز افسانہ کسی انجام کو پہنچے

رہے یہ عشقِ یکطرفہ جو بے نیل ومرام اچھا
اس قصے کا یونہی اور یہیں پہ اختتام اچھا

◆

مرضی دا بندہ ضرور آں سجناں
پر میں بڑا مجبور آں سجناں

ہورے کون اے تیرا مجرم
میں تاں بے قصور آں سجناں

دل چاہندا اے لگے رہنا
تائیوں تیتھوں دُور آں سجناں

جگ جانے پر تو نہ جانیں
اُنج تے بڑا مشہور آں سجناں

ڈر لگدا اے سُولی توں وی
کہن نو میں منصور آں سجناں

ایس عمرے نئیں عشق کری دا
من ہتھوں مجبور آں سجناں

تیرے نال ضیاء المظہرؔ
بن تیرے بے نور آں سجناں

◆

تھوڑی چوں کرکے تھوڑی چاں کرکے
کُجھ اُوں کرکے کُجھ آں کرکے

بوہتی لنگ گئی، تھوڑی رے گئی اے
او وی لنگ جائے گی ٹوں ٹاں کرکے

کہندے کی کُجھ سُجھیا ای نئیں
آگئے آں ہوں ہاں کرکے

نیویں پاکے ٹُردا جا
کی لبھنا پھوں پھاں کرکے

ڈر دا مارا پوچھدا نئیں
ٹُر نہ جاوے ناں کرکے

گل نوں پاسے لاؤنا اے
ہاں کرکے یا ناں کرکے

⁂

لے ہاں وے ڈاکدارا ویکھ میری باں
چھیتی چھیتی دس مینوں پیڑ کیڑے تھاں

کیڑی اے بیماری مینوں کی اوندا ناں
آپو آپ بُجھ لویں تینوں مناں تاں

کجھ وی نئیں دسناں میں کجھ وی نیئں بولنا
پیت بیماری دا اَج تویوئیں کھولنا

ڈیرے تے ملنگاں تے جوگی اِک وسدا
ہتھ رکھ متھے تے روگ سارے دسدا

پنڈ چہ حکیم جی ساڈے اِک رہندے نے
نبض ہتھ پھڑ کے بیماری بُجھ لیندے نے

گلاں باتاں کرکے جے بُجھنی بیماری اے
کادا ایں تو ڈاکدار کادی ڈاکداری اے

⁂

آنکھیں تیری دید کو ترسیں اِک پل سو نہ پائیں
دن تو جیسے تیسے گزرے رات کو نیر بہائیں

خواب میں آئے ساجن میرے گلے میں ڈالی باہیں
اس ڈر سے نہ آنکھیں کھولوں پھر سے بچھڑ نہ جائیں

تیرے غم نے آکے میرے دل میں ڈیرہ ڈالا
تیرے ہجر میں بول تو جاناں کیسے وقت بتائیں

رزق مقدر میں لکھا ہے جہاں سے چاہیں پائیں
حق کا سیدھا ایک ہی رستہ اس پہ چلتے جائیں

اپنے من میں مست مگن خوشبو پھیلاتے جائیں
گل بھی کانٹوں کی سنگت میں گلشن کو مہکائیں

* * *

دید بھی بینائی بھی بصیرت و ادراک بھی
چشم روشن بھی ملے اور قلبِ تابناک بھی

ہم نے موجوں کے حوالے کر دیا ہے ناؤ کو
پاتے ہیں ساحل کی خبر بہتے خس و خاشاک بھی

مال و دولت کی ہوس میں سارے اندھے ہو گئے
جبہ و دستار بھی خلعت و پوشاک بھی

اس موسمِ گل میں ضیاؔء، اہل جنوں کی خیر ہو
ہیں مبتلا دیوانگی میں کچھ گریباں چاک بھی

کیوں نہ بولوں میرے اللہ نے نوازا ہے مجھے
قوت تقریر بھی اور لہجہء بے باک بھی

اہل دل کی آنکھ سے شرم و حیا رخصت ہوئی
حد سے زیادہ ہو گئے اہل حسن بے باک بھی

ٹھہرے تو اپنی ذات کے تحت الثریٰ میں کھو گئے
نکلے تو کم پڑنے لگی وسعتِ افلاک بھی

آخرش احباب سارے مظہرؔی رخصت ہوئے
مانگی دعائے خیر بھی اور ڈالی مشتِ خاک بھی

☆داستانِ اُندلس

عشق سے لبریز دل ہاتھوں میں توحیدی علم
ساحلِ ہسپانیہ نے بڑھ کے چومے تھے قدم
قرطبہ میں آخرِش قائم خلافت ہو گئی
شمعِ اِسلام یورپ میں بھی روشن ہو گئی

علم اور تہذیب سے قرطبہ معمور تھا
تاریک یورپ کے لیئے جیسے منبع نور کا
لرزہ بر اندام تھی یورپ پہ چھائی تیرگی
پاسبانوں ہی کے ہاتھوں ہوگئی گُل روشنی

☆ 2015ء میں سفرِ اسپین کے موقع پر لکھی گئی۔ جب عدساتِ چشم (Multifocal IOLs) پر مقالہ پڑھنے کیلیئے ڈاکٹر ضیاء المظہری کو وہاں جانے کا موقع ملا۔

چنگ و طاؤس و رباب ،نغمہ و رقص و سُرور
اللہ کے حکموں سے دُوری، اور آپس کا فتور
ہسپانیہ کی وادیوں سے اُٹھ گئے سب کلمہ گو
کتنی صدیوں تک نہ پھر آئی صدائے اللہ ہُو

کوئی بھی غالب نہیں ایک اللہ کے سوا
دیوار الحمراء پہ ہے تحریر کندہ جابجا
اپنی ضعیفی سے کروں یا تیری قدرت سے گلہ
تیرے حرم کے وسط میں،ظُلمت کدہ تثلیث کا

یاد تو آیا بہت اقبالؒ کا جذب و سجود
میری قسمت میں بھی ہو، ویسی صلوٰۃ ویسا درود
اُندلس تیری بربادیوں پر مظہریؔ کا دل جلے
پھر نہ تیرے ساحلوں کو طارق و موسیٰ ملے

باتوں کے، نہ بانہوں کے، نہ خوابوں کے سہارے
ایسے میں بھلا کیسے کوئی رات گزارے

اب پوچھتے ہو کیسے گزاری سو گزاری
رات گزاری تیری یادوں کے سہارے

حرفِ دُعا ایسا کوئی مجھ کو عطا ہو
چندا کو فلک پر سے زمیں پہ جو اُتارے

اُلجھی ہوئی زلفوں کا سنورنا تو ہے ممکن
ہاتھوں کی لکیروں کو کوئی کیسے سنوارے

دامن پہ گرا دو میرے آنکھوں ہی سے موتی
میرے مقدر میں نہ جگنو ہیں نہ تارے

دامن پہ گراتا ہوں میں اس آس پہ آنسو
اک دن تو بدل جائیں گے تقدیر کے دھارے

شام

تیرے چہرے پر چمکتی ہیں شفق کی لالیاں
میرے چہرے پر ذرا سی شام گھری ہو گئی
شام کے منظر نے دل کو اپنے گھیرے میں لیا
شدّتِ غم بڑھ سی گئی شام گہری ہو گئی

آنکھ اور دماغ

آنکھ سے اک روز بے حد ناز سے بولا دماغ
عقل کی اندھی ہے تو ، اُلٹا نظر آئے تُجھے
آنکھ بولی میں نہیں تو، اُلٹا سیدھا کُچھ نہیں
میں ہوں دریچہ نور کا، کون سمجھائے تجھے

دیدارِ قمر

بوڑھوں کی نظر سے نہ جوانوں کی نظر سے
آتا ہے نظر چاند پٹھانوں کی نظر سے

مفتیِ رویت کو بھی آئے گا نظر تب
دیکھے وہ اگر چاند پٹھانوں کی نظر سے

کہتے ہو کہ دیکھا ہے قمر، سوچ لو تھوڑا
دھوکا تو نہیں کھایا کہیں عکسِ قمر سے

مفتی ہو یا ہو موسمی احوال کا ماہر
ہوئی مات نظر سب کی پٹھانوں کی نظر سے

رمضان کا ہو چاند یا ہو عیدِ فطر کا
کیا حرج ہے رویت ہو پشاور کے شہر سے

انتیس کا رمضان تو خواہش ہے سبھی کی
ہے خاص لگاؤ ہمیں عیدِ فطر سے

مظہر کی طرف سے ہو دِلی عید مبارک
آنکھوں کو کیا ٹھنڈا دیدارِ قمر سے

اِستحکامِ ملت

ماخوذ

"A Nation's Strength" by William Ralph Emerson
(1833-1917)

ایک ملت کے ستون کیسے ہوتے ہیں بُلند
کیسے ہوتی ہے اساس استوار و ارجُمند
جب ہجوم دُشمناں ہر طرف سے گھیر لے
ناقابل تسخیر ملت، کونسا جوہر کرے

زر نہیں ہے قوم کے، باقی رہنے کی دلیل
شان وشوکت جنگ میں، ہوتی آئی ہے ذلیل
پایہ ہائے زر تو قائم، ہوں پھسلتی ریت پر
پائیدار و مستقل تو، سنگ خارا ہے مگر

سُرخ مٹی سے چلو، آؤ تو پوچھیں ذرا
شہنشاہی کی ضمانت ،تیغ دیتی ہے بھلا
قصہ ماضی ہوئے، عظمتوں کے رنگ سب
خاک وخوں اور زنگ سے، آلودہ خشت وسنگ سب

فخر و تکبر کیا ہوا، تابانئِ تاج و کلاہ
دلکش و شیریں بہت، قوم کی اس پہ نگاہ
اک الوہی ضرب نے، بے نور کر پھینکا اِسے
راکھ کر کے اپنے قدموں، کے تلے روندا اسے

زر نہیں افراد ہی سے، قوم کی تعمیر ہے
پائیداری، استواری، عظمت و توقیر ہے
صدق و شرف جن کو ضیاء، ہو مقدم دائمی
ثابت و ایستادہ و صابر جو پیہم آدمی

ڈوبے ہوں غافل نیند میں، یہ مرد ہوں محوِ عمل
مفرور ہوں ڈرپوک جب، جرأت پہ قائم یہ رجل
مضبوط و محکم اور عمیق، رکھیں ملت کے ستوں
اور عروج و ارتفاع میں، آسماں بھی سرنگوں

دعائے مظہریؔ

اے مالک روزِ جزا، اے خالقِ موت وحیات
اسلام پر دے زندگی، ایمان پر دینا وفات

اے ہمارے رب بھلائی دو جہاں کی ہو عطا
اور عذاب نار سے بخش دے ہم کو نجات

اے ہمارے رب کیا جو ظلم خود پہ معاف کر
رحم نہ فرمائے تو گر، ہے خسارے کی یہ بات

اے ہمارے رب دہانے کھول ہم پہ صبر کے
ہو مرحمت استقامت اور قدموں کو ثبات

فتح و نصرت سے نواز قوم پہ کفار کی
اور اپنے حکم سے پختہ کر دے ان کی مات

ان میں شامل کر دے یا رب جو کریں قائم نماز
اور ہماری آل کو بھی رکھنا پابندِ صلوٰۃ

ہوں مغفرت کے مستحق، جس دن کہ ہو قائم حساب
ہم اور ہمارے والدین مومنین و مومنات

نامہءِ اعمال سے حذف کر دے سیّٰات
اور اپنے کرم سے بڑھا ہماری محصنات

درگذر کا، رحمتوں کا، مغفرت کا تذکرہ
وقتِ محشر جوش میں آ جائیں بس یہ ہی صفات

اُنؐ کی شفاعت مظہریؔ کو حشر کے دن ہو عطا
جنؐ کا وجودِ ذی قدر وجہِ وجودِ کائنات

چشمِ بینا

Collection of Poems and Ghazals

دید بھی بینائی بھی بصیرت و ادراک بھی
چشمِ روشن بھی ملے اور قلبِ تابناک بھی

ڈاکٹر ضیاء المظہری

چشمِ بینا نظمیں غزلیں

Chashm-e-Beena
Collection of Poems and Ghazals

ڈاکٹر ضیاء المظہری

تیرا مجنوں تیری خاطر خاک میں مل جائے گا
کون تیری مانگ میں سیندور بھرنے آئے گا

صیاد کا احسان اب یہ بھی تو مانا جائے گا
میرا گھر ہی آج سے میرا قفس کہلائے گا

تیرا مجنوں مٹ گیا تو یاد رکھ دشتِ جنوں
خارزاروں میں نہ کوئی آبلہ پا جائے گا

پیچ ہائے زلفِ جاناں کب کھلیں گے مظہریؔ
یہ اسیرِ زلفِ لیلیٰ کب رہائی پائے گا

* * *

نہ ہوتا شجرِ ممنوعہ جو جنت میں تو اچھا تھا
نہ ہوتا سامنا تیرا محبت میں تو اچھا تھا

بہتر ہے ابھی صدمہ دلِ ناکام کو پہنچے
بنا آغاز افسانہ کسی انجام کو پہنچے

رہے یہ عشق یکطرفہ جو بے نیل و مرام اچھا
اس قصے کا یونہی اور یہیں پہ اختتام اچھا

چشمِ بینا

CHASHM-E-BEENA

Collection of Poems and Ghazals

* * *

آنکھ کا بینائی سے، منظر کا اپنے عکس سے
رشتہ نازک سا ہے لیکن جوڑتے جاتے ہیں ہم

موتیا بند آنکھ سے ہم چُرا لیتے ہیں یوں
عدسہ ہائے چشم کو جوڑتے جاتے ہیں ہم

ایک عکسِ منتشر کو دیکھنا ہے مرتکز
ریزہ ہائے آئینہ جوڑتے جاتے ہیں ہم

شیشہ گر ٹھہرے ہیں ہم، گر ہیں شیشوں کی ضیاءؔ
سانس روکے، دل کو تھامے، کھولتے جاتے ہیں ہم

* * *

دوستی جو نہ رہی تو دشمنی لازم تھی کیا
سوغات نفرت کی مجھے بھیجنی لازم تھی کیا

محفل میں میرے ذکر پہ خامشی بہتر نہ تھی
تنقید اور تنقیص کی خنجر زنی لازم تھی کیا

تیری مجلس سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوا
قربت رقیبوں سے تری دیکھنی لازم تھی کیا

کوئی پوچھے تو بھلا یہ حضرت عزرائیل سے
جان لے لیتے مگر جاں کنی لازم تھی کیا

اب کٹہرے میں کھڑے ہو کر بتاؤ مظہریؔ
درد کی دولت، جہاں میں بانٹنی لازم تھی کیا

* * *

اپنی ضعیفی سے کروں یا تیری قدرت سے گلہ
تیرے حرم کے وسط میں، ظلمت کدہ تثلیث کا

یاد تو آیا بہت اقبالؒ کا جذب و سجود
میری قسمت میں بھی ہو، ویسی صلوٰۃ و یا درود

اُندلس تیری بربادیوں پر مظہریؔ کا دل جلے
پھر نہ تیرے ساحلوں کو طارق و موسیٰ ملے

Chashm-e-Beena
Publishers

Dr. Zia ul Mazhry
FRCS(Edin), FRCS(Glasgow),FCPS(Pak), CICOphth
Associate Professor | Consultant Eye Surgeon
00923004401151 | Mazhry@yahoo.com